اُردو لازمی
نویں اور دسویں جماعتوں کے لیے
سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو

اُردو لازمی

نویں اور دسویں جماعتوں کے لیے

سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ

جام شورو، سندھ

ناشر

اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی

تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو
منظور کردہ : وزارتِ تعلیم اسلام آباد
بطور واحد درسی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

مؤلفین

ڈاکٹر اسلم فرخی
ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاس گنجوی
ساقی جاوید
محمد ناظم علی خاں ماتلوی

مدیران

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی
محمد ناظم علی خاں ماتلوی

طابع : عزیز خالد

مطبوعہ سعد پرنٹرز کراچی

فہرست مضامین

اعتراف

قائد اعظمؒ نے فرمایا

مضامین

کہانیاں

ڈراما

سفر نامہ

سوانح اور شخصیت

ادیبوں کے خطوط

طنز و مزاح

تعلیم آبادیات

حصہ نظم

حمد

نعت

وائی

غزلیات

منظومات

مرثیہ

قومی نغمہ

اعتراف

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

مندرجہ ذیل مصنفین، ورثاء اور اداروں کا شکرگزار ہے
کہ انھوں نے اس مجموعہ میں اپنے طبع کردہ افسانوں، مضامین،
خطوط وغیرہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ورثاء : پروفیسر احمد شاہ پطرسؔ بخاری، محمد حسین آزادؔ،
مولانا غلام رسول مہرؔ، راشد الخیری، ابن انشاؔء
اور امتیاز علی تاجؔ مرحوم

اردو اکیڈمی سندھ کراچی برائے مضامین :
خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر مولوی عبدالحق،
اور علامہ سیّد سلیمان ندوی

قائداعظمؒ نے فرمایا

"پاکستان اپنے نوجوانوں پر فخر کرتا ہے، خصوصاً طلبہ پر، جو ہر ضرورت کے وقت پیش پیش رہے ہیں۔ نوجوانو! تم مستقبل کے معمار ہو، تمھیں نظم و ضبط سے کام لینا ہے اور تعلیم و تربیت حاصل کرنا ہے، تاکہ صبر آزما مسائل سے نبٹ سکو، مستقبل کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی تمھارے کاندھوں پر ہے۔ لہٰذا اس کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

"نوجوانو! میں تمھیں پاکستان کا معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی باری پر کیا کچھ کر دکھاتے ہو۔ اس طرح رہو کہ کوئی تمھیں گمراہ نہ کر سکے۔ اپنی صفوں میں اتحاد اور مضبوطی پیدا کرو۔ تمھارا اصل کام کیا ہے؟ اپنی ذات سے وفاداری، اپنے والدین سے وفاداری، اپنے ملک سے وفاداری اور اپنی تعلیم پر پوری توجہ"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرسید احمد خان

۱۸۱۷ء — ۱۸۹۸ء

گزرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراؤنی اور اندھیری ہے، گھٹا چھا رہی ہے، بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے، دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے مگر اس کا غم اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور وہ جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے منہ پر آنسو بہے چلے آتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اس کو یاد آتا ہے۔ جب کہ اس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپے اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر، ماں باپ، بھائی بہن اس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے، چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لیے مکتب چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا۔ ہائے وقت ہائے وقت! ہائے گزرے ہوئے زمانے! افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر سے یاد کیا!

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ، سڈول ڈیل، بھرا بھرا بدن، رسیلی آنکھیں، موتی کی لڑی سے دانت، اُمنگیں بھرا ہوا دل، جذباتِ انسانی کے جوشوں کی خوشی اسے یاد آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا

چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا کہ "آہ ابھی بہت وقت ہے۔" اور بڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو اب یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ اچھا ہوتا اگر جبھی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا۔ آہ! وقت گزر گیا۔ اب پچھتائے سے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ابھی وقت بہت ہے۔

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا، کھڑکی کھولی، دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے، اندھیری گھٹا چھا رہی ہے، بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جا رہا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولا "ہائے ہائے میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات" یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی "ہائے بیٹا! وقت گزر گیا" باپ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہے اور یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا! ہم تمہارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں انگلی دبیے ہوئے خاموش ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ایسی حالت میں اس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اس نے نہایت بے مروتی، بے پروائی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن

سے بے مروّت رہنا، دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا اور
ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبّت کا دیکھنا، اس کے دل کو پاش پاش
کرتا تھا۔ اس کا دم چھاتی میں گھُٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلّا اُٹھتا تھا کہ
"ہائے وقت نکل گیا، کیوں کر اس کا بدلہ ہو۔"

وہ گھبرا کر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا، لڑکھڑاتا کھڑکی تک پہنچا،
اس کو کھولا اور دیکھا کہ ہَوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے،
پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر
اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنا اَدھیڑ پنا یاد آیا۔ جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی،
نہ وہ جوانی کا جوبن۔ نہ وہ دل رہا تھا، نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اس
نے اپنے اس نیکی کے زمانے کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی
کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنی، حج
کرنا، زکوٰۃ دینی، بھُوکوں کو کھِلانا، مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کے
اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی
تھی، اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی، اپنی مدد کو پکارتا تھا
مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے
ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے۔ بھُوکے پھر ویسے ہی بھُوکے ہیں۔
مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنوئیں
اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر نہ فقیر۔ کوئی اس کی آواز نہیں سُنتا
اور نہ مدد کرتا ہے۔ اس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ
میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے
ہی کیوں نہ سوجھی۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلّا اُٹھا،
"ہائے وقت۔ ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھودیا۔" وہ گھبرا کر

پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اس کے پٹ کھُلے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے، آندھی تھم گئی ہے، تارے نکل آئے ہیں، ان کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہوگیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں ایک خوب صورت دلھن نظر آئی۔ اس نے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا۔

اُس نے پاک دل اور محبّت کے لہجے سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں، ہے۔ نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کے فرض کو اس بدوی کی طرح جس نے کہا "وَاللهِ لَا اَزِیدُ وَلَا اَنْقُصُ" ادا کرکر انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے اُس کی میں مُسَخَّر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو آخر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل آخر تک چلی آتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے، انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہ کر وہ دلھن غائب ہوگئی اور بڈھا اپنی جگہ آبیٹھا۔

اب اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔

اپنا حال سوچ کر وہ اس دل فریب دلھن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا آخری زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہوکر چلا اُٹھا۔ ”ہائے وقت، ہائے وقت! کیا پھر تجھے بلا سکتا ہوں۔ ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہوسکتا۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک آہ سرد بھری اور بے ہوش ہوگیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس کی پیاری ماں اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اس کا باپ اس کو دکھائی دیا، چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کے گرد آکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا بیٹا! کیوں برس کے برس دن روتا ہے، کیوں تو بے قرار ہے، کس لیے تیری ہچکی بندھ گئی ہے۔ اُٹھ! منہ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نوروز کی خوشی منا، تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہوگیا تھا۔ اس نے سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اس نے سُن کر جواب دیا کہ بیٹا! بس تو ایسا مت کر جیسا اس پشیمان بڈّھے نے کیا، بلکہ ایسا کر جیسے تیری دلھن نے تجھ سے کہا۔

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ ”او! یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اس بڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا۔ ضرور اس دلھن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوب صورت چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ” ہمیشہ

زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا! او خدا! تو میری مدد کر۔ آمین۔"

پس اے میرے نوجوان ہم وطنو! اور اے میری قوم کے بچّو! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ آخر وقت میں اس بڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو آخر ہے، اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین۔

مشق

۱۔ بوڑھا اپنے ماضی پر کیوں افسوس کر رہا تھا؟

۲۔ آنکھ کھلنے پر لڑکے نے کیا فیصلہ کیا؟

۳۔ مصنّف نے اس مضمون میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو کیا نصیحت کی ہے؟

۴۔ سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۵۔ ذیل کے جملوں کی وضاحت کیجیے۔

(ا) ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا، اس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔

(ب) جو کوئی خدا کے فرض کو اس بدوی کی طرح جس نے کہا:
وَاللهِ لَا اَزِیْدُ وَلَا اَنْقُصُ ادا کر کر انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے اس کی میں مُسَخَّر ہوتی ہوں۔

۶ - ذیل کے الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

حق پرستی ۔ ہولناک ۔ چھاتی سے لگانا ۔ کج خُلقی ۔ دم گھٹنا ۔ مسخر کرنا ۔

۷ - ذیل کے سابقوں اور لاحقوں کو لگا کر الفاظ بنائیے :

لا ۔ گار ۔ نو ۔ دان ۔ بد ۔ ساز ۔ ہم ۔ ستان ۔ غیر ۔ ناک ۔

۸ - مندرجہ ذیل اسموں پر غور کیجیے :

(ا) لڑکا ۔ شہر ۔ دوا

(ب) حامد ۔ لاہور ۔ کارمینا

آپ نے ان مثالوں میں دیکھا ہوگا کہ جزو (ا) میں جو بھی اسم ہے وہ عام شخص یا عام جگہ یا عام چیز کا نام ہے لیکن جزو (ب) میں جو بھی اسم ہے وہ کسی خاص شخص یا خاص جگہ یا خاص چیز کا نام ہے ۔

لہٰذا جزو (ا) کے اسم "اسمِ نکرہ" کہلاتے ہیں اور جزو (ب) کے اسم "اسمِ معرفہ" ۔

اب آپ مندرجہ ذیل میں سے اسمِ نکرہ اور اسمِ معرفہ علیحدہ علیحدہ کر کے لکھیے :-

درخت ۔ شالامار ۔ غالب ۔ مجاہد ۔ اسد اللہ ۔ ابنِ خلدون

القرہ ۔ دشمن ۔ افریقہ ۔ قلم ۔

محمد حسین آزاد
۱۸۳۰ء ـــــ ۱۹۱۰ء

سومناتھ کی فتح

ہندوستان جنت نشان جس کا دروازہ باپ (سلطان سبکتگین) نے کھولا ہوا تھا، محمود غزنوی (بیٹے) نے اسے گیارہ دفعہ زیر زبر کیا اور اپنے نام کو سلطان کے لقب سے تاجدار کیا کہ اُس وقت تک کسی بادشاہِ اسلام کو نصیب نہ ہوا تھا۔

ایک دِن مصاحبوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ صدہا کوس تک کوئی مملکت نظر نہ آئی جس کی فتح سے پُر مال خزانے کو مالا مال کرے۔ ارکانِ دولت کو جمع کیا۔ سب نے خیال کے عیار اور فکر کے جاسوس چاروں طرف دوڑائے۔ آخر معلوم ہوا کہ اِسی خراب آباد ہندوستان کے کنارے ایک شہر عظیم الشّان ہے اور اُس میں ایک عبادت خانہ ہُنُود کا ہے کہ اپنے دیوتا کے نام سے سومناتھ کہلاتا ہے اور چوں کہ ہزاروں برس ہوئے راجہ سے لے کر پرجا تک ملک ملک کی خلقت اُسے صِدق دِل سے مانتی ہے اِس لیے نہ مال و دولت کا ٹھکانا ہے نہ زر و جواہر کی کچھ انتہا ہے۔ حسن میمندی نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور عرض کی: "قبلۂ عالم! میں نے وہاں کے حالات عجیب و غریب سُنے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس مکان میں سومناتھ دیوتا ہے، باہر کی روشنی کو وہاں دخل نہیں۔ جواہرات اور الماس جو دَر و دیوار میں جڑے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہیں اُن کی جگمگاہٹ سے

دن رات برابر ہے۔ بیچ میں ایک بڑی بھاری سونے کی زنجیر لٹکتی ہے کہ اُس میں گھنٹے اور گھڑیال آویزاں ہیں۔ جب پوجا کا وقت ہوتا ہے تو جس طرح ہم اذان دیتے ہیں، وہ اُسے ہلاتے ہیں کہ سب کو خبر ہوجائے۔ ملک ملک کے راجاؤں نے جو جاگیریں دے رکھی ہیں اُنھیں جمع کریں تو دو ہزار گاؤں ہوتا ہے۔ ہر چند کہ گنگا وہاں سے چھ سو کوس پر ہے۔ مگر روز تازے گنگاجل سے اُس کا اشنان ہوتا ہے۔ دو ہزار برہمن فقط وہاں کے پُجاری ہیں۔ پانسو لونڈیاں گائنیں اور تین سو گویّے ہیں کہ پوجا کے وقت بھجن گاتے ہیں اور ناچتے ہیں۔ زیور، لباس، خرچ اخراجات اُن کا سب وہیں سے ملتا ہے۔

یہ سُن کر محمود نے اُسی وقت سپہ سالار کو حکم دیا کہ ہاں لشکر تیار ہو۔ ہر علاقے سے سپاہ طلب ہوئی۔ میدان خیموں ڈیروں سے پٹ گیا۔ فوج فوج کے نشان جدا جدا لہرانے لگے لشکرِ خاصہ کے علاوہ تاتار کے ترک اور کوہستان کے افغان ہزاروں کی جگہ لاکھوں جمع ہو گئے۔ اس ٹڈی دل کو لے کر اُڑا اور ملتان میں آکر دم لیا۔ ٹوٹے پھوٹے کی مرمت، سازو سامان کی درستی کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رستے میں ایسے ایسے ریگستان اور چٹیل میدان ہیں کہ جہاں کوسوں تک پانی کا پتا اور گھاس کا پتّا نہیں ملتا۔ اس لیے حکم دیا کہ ہر شخص کئی کئی دن کا کھانا پانی اپنے اپنے ساتھ اُٹھالے اور سرکارِ شاہی سے بھی دو ہزار اونٹ رسد کے دانے پانی اور گھاس پات سے لدواکر ساتھ لیے۔

غرض ان لق و دق میدانوں کو لپیٹ سپیٹ کر دفعۃً اجمیر پر جا پہنچا۔ اگرچہ کوئی راجہ محمود کے حال سے غافل نہ تھا۔ مگر یہ بھی خیال نہ تھا کہ ایسے میدان طے کرکے یہ طوفان

یوں یکایک بجلی کی طرح آن گرے گا۔ اب سوا کنارہ کرنے کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ راجہ اور شہر کے لوگ جو بھاگ سکے وہ جان لے کر بھاگ گئے ۔ مگر اس آندھی سے شہر میں چراغ اور باہر تنکا تک نہ رہا۔ تارا گڑھ کا قلعہ سامنے پہاڑ پر چمک رہا تھا مگر دیکھا کہ اس کے محاصرے میں خدا جانے کتنے دن لگیں اور کیا پیش آئے، اس لیے سیدھا منزلِ مقصود کا رُخ کیا۔ رستے میں جو جو قلعے اور شہر نظر آئے اُنھیں ٹھکراتا اور سامانِ خدا داد سمیٹتا دو منزلہ اور سہ منزلہ کرتا چلا جاتا تھا کہ سمندر کے کنارے پر ایک قلعہ عالی شان نمودار ہوا۔ جس کا ایک ایک بُرج سربفلک تھا اور دریا کی لہریں پاؤں میں لوٹ رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ شہر سومناتھ یہی ہے۔ اہل شہر بے خبر گھروں میں پڑے آنند کر رہے تھے۔ دیکھا، تو یہی دیکھا کہ فوج کا دَل بادل چھا گیا ہے۔ اور نشانِ محمودی لہرا رہا ہے۔ سب گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پانڈے بچارے بھولے بھالے جنھوں نے کبھی ننگی تلوار نہ دیکھی تھی، فصیل پر چڑھ کر حیرت سے دیکھنے اور چلّانے لگے۔ کہ اے مُسلمانو! تم اپنی فوج اور لشکر کے گھمنڈ پر ہمیں لوٹنے آئے ہو۔ یہ خبر تمھیں نہیں کہ دھرم پرماتما ہمارا اسی واسطے تمھیں لایا ہے کہ جو جو مندر شِوالے تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں، سب کی سزا یہاں دے گا۔ قاصد آئے، اُنھوں نے بھی ایسے ہی پیغام سُنائے، مگر محمود ان باتوں کو کب خاطر میں لاتا تھا۔ تیوری بدل کر منہ پھیر لیا اور کہا کہ "خیر جو کچھ ہوگا، کل معلوم ہو جائے گا۔"

وہ دن تو جوں توں کر کے کاٹا۔ دوسرے دن جب مشرق کا

شہسوار ستاروں کی فوج کو شکست دے کر شعاع کا نیزہ ہاتھ میں لیے نکلا، محمود سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق، ہوا کے گھوڑے پر سوار، چتر لگائے، میدانِ جنگ میں آکر کھڑا ہوا۔ نقارے پر چوٹ پڑی کہ دل سینوں میں دہل گئے۔ دلیروں نے قلعے کی طرف بڑھ کر ایسے تیر برسانے شروع کیے کہ ہندوؤں کو فصیل چھوڑتے ہی بن آئی۔ قلعے سے مندر میں بھی راہ تھی۔ سب گھبرا کر اُدھر گھس گئے۔ مسلمان جھٹ سیڑھیاں لگا کمندیں ڈال فصیلوں پر چڑھ گئے اور اللہ اکبر، اللہ اکبر کے نعرے مارنے شروع کیے۔ کہ قلعے سے لے کر کوہ و دشت تک گونج اُٹھا۔ تکبیر کی آواز سے برہمنوں اور پانڈوؤں کے دلوں میں گیان دھرم کی آگ سے ایک دُھواں اُٹھا اور راجپوتوں کے دلوں میں خون غیرت نے جوش مارا۔ دفعتہً آگ بگولہ ہوکر دوڑے۔ جو تیر انداز فصیل پر کھڑے تھے اُن سے آتے ہی چھری کٹاری ہوگئے اور سب کو کاٹ کر نیچے گرادیا۔ پھر تو اُدھر سے آتشبازی کے بانِ اور رال کی ہانڈیاں تھیں اور اِدھر سے تیروں کی بوچھاڑ اور برچھیوں کی بجلیاں۔ عالم گرد و غبار سے اندھیرا ہوگیا۔ اور لڑائی برابر ترازو کے تول تُلی ہوئی تھی مگر قلعے کا پلّہ بھاری تھا کہ اتنے میں شام نے آکر اندھیرے کی سپَر بیچ میں رکھ دی۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر آئے۔ شب خون کی روک تھام کا بندوبست ہوا۔ حُکم تھا کہ چراغ کا تو کیا ذکر ہے، آگ کی چنگاری تک نہ چمکنے پائے۔ مگر دلوں کی بیقراری اور مایوسی کچھ کہی نہ جاتی تھی۔ اِدھر تو محمود کے لشکری سناٹے میں تھے کہ کہاں وہ کوہ و دشتِ پُر بہار اور خدائی گلزار۔ کہاں یہ ریگستان بیابان! گھروں سے ہزاروں کوس آن پڑے۔ اللہ ہے جو پھر بھی اہل و عیال کا مُنہ دیکھنا نصیب ہو!

اُدھر قلعہ بند بچارے مصیبت کے مارے جانوں سے نراس بیٹھے تھے اور کہتے تھے: "ہے نرنکار! یہ آسمانی بلا کہاں سے آگئی۔ ہم تو اپنے گھروں میں آرام سے رام رام کی سمرن جپتے تھے! تو ہی اس آفت کو ٹالے تو ٹالے! تیرے سِوا کس کا آسرا ہے۔ غرض دونوں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ اندھیری رات میں سنسان جنگل سائیں سائیں کرتا تھا اور گھوڑے سے لے کر اُونٹ تک سانس نہ لیتا تھا۔ ہاں تدبیروں کے قاصد اور کاغذ کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ قلعے والوں کو رات بھر نیند نہ آئی۔ دیس دیس کے ٹھاکروں اور راجاؤں کو چٹھیاں لکھیں کہ یہی وقت ہے۔ اگر آج دھرم کی لاج نہ رکھی تو کب رکھو گے۔ اِدھر آدھی رات تھی جو محمود کی آنکھ کُھلی۔ دِل گھبرایا۔ اور اُسی وقت سردارانِ لشکر کو بلا کر کہا کہ صبح سر پر کھڑی ہے۔ بندوبست کرنا چاہیے کہ میدان جنگ کس ڈھنگ پر ڈالا جائے۔ وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جس طرح ہو سکے، اس لڑائی کا فیصلہ جلد کرنا چاہیے، ملک بیگانہ ہے اور عرصہ دُور کا ہے، جس قدر دیر ہوگی، ہیبت ہماری کم اور جمعیت گھٹتی جائے گی اور دشمن کی امدادیں پہنچ کر قوت بڑھتی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کے دل پر غلام کی نظر ہے، دیکھتا ہوں کہ رفیقوں کے جی چھوٹے جاتے ہیں۔ محمود نے اس رائے کو پسند کیا اور سب نے تائید کی۔ اُسی وقت پس و پیش اور یمین و یسار کی تقسیم ہو کر ڈیرے ڈیرے میں حکم پہنچ گیا کہ صبح نُور کے تڑکے قلعے پر دھاوا ہو جائے۔ راتوں رات سیکڑوں سیڑھیاں اور کمندیں اور ہزاروں فولادی میخیں تیّار ہو گئیں۔ تمام رات بہادروں نے ہتھیاروں کی تیاری میں کاٹی۔ جب پچھلی پہر رات باقی رہی تو ستاروں کے پہرہ دار اپنے اپنے پہروں پر

قائم تھے - محمود نے وضو کرکے دوگانہ نماز کا ادا کیا سلاحِ جنگ زیبِ بدن کرتے ہی سواری کا حکم دیا - اُدھر صبح کی سپیدی مشرق سے نمودار ہوئی، اِدھر سُرخ پھریرا نشان جنگ کا ہوا میں لہرایا۔ جب سپہ سالار کو تیسرا حکم پہنچا تو اُس نے خود کرنا ہاتھ میں لے کر مُنہ پر رکھی اور جس طرف سے کہ دھاوے کا موقع تھا، اُدھر سے پہلو دے کر دوسرے رُخ سے لڑائی ڈالی - محمود بذاتِ خاص ایک رسالہ لے کر الگ کھڑا ہوا کہ جب قلعے والے فوج کی طرف جھکیں تو یہ اُدھر سے کمندیں ڈال کر اندر جا پڑے - قلعے میں بھی تمام رات آنکھوں میں کٹی تھی. پانڈے، پُجاری، برہمن، راجپوت دھاوے کا غل سُن کر گھبرا گئے - پہلے تو سب مندر کی طرف دوڑے اور سومناتھ کی پرماتما سے لپٹ کر زار زار روئے - کوئی پاؤں میں لوٹتا تھا، کوئی راز و نیاز سے کھڑا دعا مانگ رہا تھا - آخر روتے دھوتے باہر نکلے - جدھر کو دھاوے کا زور دیکھا سب کے سب اُدھر ہی اُمنڈ پڑے اور لڑائی شروع ہوگئی - چاروں طرف سے خبریں چلی آتی تھیں اور تدبیر کی نظر ہر طرف برابر دوڑ رہی تھی - اتنے میں ایک بکٹ پہرے کے سپاہی نے محمود کو رپٹ دی کہ اُدھر سے غبار نمودار ہوا ہے اور رُخ اُس کا اِسی طرف معلوم ہوتا ہے - عجب نہیں کہ کوئی راجہ قلعے کی مدد کو پہنچا ہو - اُسی وقت سانڈنی سوار اور ہرکارے دوڑ گئے - دم کے دم میں پھر کر آئے اور خبر لائے کہ فلاں فلاں شہر کے راجا اِب اِس قدر فوج کی جمعیت سے آن پہنچے - شاہِ باتدبیر نے اس خبر کو یہیں بند رکھا کہ اگر لڑتی ہوئی فوج کو یہ خبرِ وحشت ناک پہنچی تو سارے لشکر میں ہل چل پڑ جائے گی - فوراً اپنی رکاب کی فوج لے کر برق و باد کی طرح لپکا اور اُس کالی آندھی کے سامنے جاکر پہاڑ کی طرح ڈٹ گیا - اوّل پیغام بھیجا کہ اس وقت

قلعے والوں سے ہمارا مقابلہ ہو رہا ہے۔ شایانِ جوانمردی یہ ہے کہ جب
تک ہم اُدھر سے فارغ نہ ہولیں تم ہم پر حملہ نہ کرو۔ اُنھوں نے کہلا بھیجا
کہ قلعہ اور ہم کچھ جُدا نہیں۔ زبانی باتیں نہ بناؤ۔ مرد ہو تو تلوار
لے کر سامنے آؤ۔ محمود کو اتنی فرصت بھی کافی تھی۔ یہ دایاں بایاں
سرداروں کو بانٹ فوج کا قلعہ باندھ قلب میں قائم ہو چکا تھا۔
اِدھر سے کرنا اور اُدھر سے نرسنگا لڑائی کا پھونکا گیا۔ پہلے تو
تیرو خدنگ سے پیغام و سلام موت کے آئے۔ مگر اُدھر ہندوستان
سور بیر، اِدھر تُرک طرّار اور افغان خونخوار بڑھ بڑھ کر حملے کرنے
لگے، جنگ کا ہنگامہ گرم ہُوا۔ تلوار کی آنچ سے خود و زرہ کے
نیچے بدن بہادروں کے جل اُٹھے اور خون پانی ہوکر بہ گئے کہ دفعۃً
ایک طرف سے پھر غُبار اُٹھا۔ سب کی آنکھیں اُدھر لگ گئیں۔ جب
غُبار کے دامن کو مِقراضِ ہوا نے چاک کیا اور گرد کے گریبان سے
نشانِ لشکر نے سر نکالا تو معلوم ہوا کہ نہر والے کا راجہ بھی آیا۔ اس خبر
کو سُن کر کیا ترک کیا افغان سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور محمود
کے بھی اَوسان بھول گئے۔ اور پھر سنبھلا۔ اُدھر تو جو فوج قلعے پر لڑ رہی
تھی اُسے پیغام بھیجا کہ قلعے کا پیچھا چھوڑو اور یہاں کی خبر لو۔ اِدھر
گھوڑے سے کود جبینِ نیاز کو اپنے خدا کے سامنے خاکِ عجز پر
رکھ دیا اور دیر تک درگاہِ الٰہی میں بہ گریہ و زاری دعا مانگتا رہا۔ بعد
ازاں اُٹھا اور فوج کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ اے شیرو! دلیرو!
دیکھو! دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، خراسان اور ترکستان
یہاں سے سیکڑوں نہیں، ہزاروں کوس کا پلہ ہے۔ اگر پَر بھی لگا کر
اُڑو گے تو بھی جان لے کر وہاں نہ پہنچ سکو گے۔ اے مسلمانو! باایمانو!
اب سوائے خُدائے وحدہٗ لاشریک کے کسی کا سہارا نہیں۔ یا اُس کا

آسرا ہے۔ یا ہمتِ مردانہ اور بازوئے دلیرانہ کا۔ بھاگ کر مرنے سے مار کر مرنا بہتر ہے۔ نام تو رہے گا کہ غازی بھی ہوئے اور شہید بھی۔ دیکھو! اس میدان سے گھر دُور ہے مگر بہشت قریب ہے۔ شہادت کا تاج لو اور بہشت میں داخل ہو۔ اس تقریر کا افسوں اس وقت پر ایسا کام آیا کہ ٹوٹی ہوئی کمریں پھر بندھ گئیں۔ سب یک دل و یک جان ہوکر ٹوٹ پڑے اور ایسا جی توڑ کر حملہ کیا کہ ایک دھاوے میں پانچ ہزار کا کھیت ڈال دیا جو باقی رہے اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ فتح یابوں نے کئی کوس تک پیچھا کیا۔ قیدیوں کو کون پکڑتا کہ پہلے ہی غزنی کے گھر بار اور ایران، توران کے بازار لونڈی غلاموں سے بھرے پڑے تھے۔ اس فتح کا حال دیکھ کر قلعے والوں کی رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی۔ محمود مع فوج کے فتح کا نقارہ بجاتا قلعے میں داخل ہوا اور دروازے پر نشانِ محمودی لہرانے لگا۔ اب دل کو تاب کہاں تھی، سیدھا مندر میں پہنچا۔ عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ چھپن ستونوں پر گنبدی چھت بیضۂ عنقا کی طرح دھری تھی کہ ہر ستون ایک ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مُرصّع تھا۔ پچّی کاری کی گلکاری چین کے نقش و نگار مٹاتی تھی اور کُندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی۔ بیچوں بیچ میں ایک جڑاؤ زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ دن رات دھڑ دھڑ جلتا تھا۔ خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا۔ جس کی قسمت میں آج کے دن اس آندھی سے گل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے سومناتھ دیوتا کھڑے تھے جن کا قد پُورا پانچ گز کا تھا کہ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ محمود نے خود ایک تیر کمان میں جوڑ کر اُس کی ناک پر مارا اور توڑنے کا حکم دیا۔ تمام پجاری بچارے دوڑ کر پاؤں پر گر پڑے اور کہا کہ اسے نہ توڑو اور

بہت سے خزانے نذرانے لو : وزیر نے بھی سفارش کی مگر بادشاہ نے سوچ سوچ کر کہا کہ میرے نزدیک بُت فروش نام پانے سے بُت شکن ہونا بہتر ہے ۔ یہ کہ کر گرزِ فولادی جو ہاتھ میں تھا اس زور سے مارا کہ وہ پرتما جو سونے کی ڈھلی اور اندر سے کھوکھلی تھی، ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑی ۔ اقبال کے خزانے پر نظر کرو کہ جو روپیہ پُجاری دیتے تھے اُس سے چند در چند زیادہ کا جواہرات اُس میں سے نکل پڑا ۔ محمود مارے خوشی کے باغ باغ ہوگیا ۔ دو ٹکڑے اُس کے مکے اور مدینے بھیجے اور دو غزنی کو بھجوائے کہ ایک جامع مسجد اور ایک دیوان عام کے دروازے پر ڈال دیں ۔

مشق

۱۔ حسن میمندی کون تھا اور اس نے محمود غزنوی کی خدمت میں کیا عرض کی ؟

۲۔ ملتان سے گجرات تک کا سفر کیسا تھا اور محمود غزنوی نے اس کے لیے کیا تیاری کی ؟

۳۔ محمود غزنوی نے تارا گڑھ کے قلعے پر حملہ کیوں نہیں کیا ؟

۴۔ محمود غزنوی کے لشکر کو دیکھ کر سومناتھ کے مندر کے پجاریوں نے کیا کہا ؟

۵۔ پہلے دن کے معرکے میں جو کچھ ہوا وہ تحریر کیجیے ۔

۶۔ محمود غزنوی کے لشکری پہلے دن کے معرکے کے بعد کیا سوچ رہے تھے؟

۷۔ محمود غزنوی نے اپنے لشکر کے جانبازوں سے مخاطب ہوکر کیا کہا؟

۸۔ جب محمود غزنوی سومناتھ کا بُت توڑنے لگا تو پجاریوں نے اس سے

کیا کہا ؟

۹- محمود غزنوی نے پجاریوں کو کیا جواب دیا ؟

۱۰- محمود غزنوی کے ایمانِ محکم کا اس کو کیا صلہ ملا ؟

۱۱- ذیل کے جملوں کی وضاحت کیجیے :-

(ا) سب نے خیال کے عیّار اور فکر کے جاسوس چاروں طرف دوڑائے۔

(ب) ان لق و دق میدانوں کو لپیٹ سپیٹ کر دفعتہً اجمیر پر جا پہنچا۔

(ج) دیکھا تو یہی دیکھا کہ فوج کا دَل بادل چھا گیا ہے اور نشانِ محمودی لہرا رہا ہے ۔

(د) مشرق کا شہسوار ستاروں کی فوج کو شکست دے کر شعاع کا نیزہ ہاتھ میں لیے نکلا ۔

(ہ) شام نے آکر اندھیرے کی سپَر بیچ میں رکھ دی ۔

۱۲- ذیل کے الفاظ و محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

زیروزبر کرنا ۔ خلقت ۔ ٹڈّی دَل ۔ منزلِ مقصود ۔ نمودار ہونا ۔
آگ بگولہ ہونا ۔ چھری کٹاری ہونا ۔ پُربہار۔ زار زار رونا ۔ ہنگامہ گرم ہونا ۔

۱۳- ذیل کے الفاظ کے ساتھ استعمال کیے جانے والے مترادف لکھیے۔ (مثلاً صبر و سکون)

خیر ۔ عیش ۔ امن ۔ فتح ۔ رنج ۔ غیظ ۔ عزم ۔ حق ۔

۱۴- ذیل کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہونے والے متضاد لکھیے۔ (مثلاً صبح و شام)

روز ۔ بلند ۔ نیک ۔ نور ۔ قلیل ۔ آغاز ۔ تلخ ۔ فنا ۔

۱۵- مندرجہ ذیل میں سے مفرد اور مرکب مصادر علیحدہ علیحدہ کر کے لکھیے :-

بخشنا ۔ کوشش کرنا ۔ لکھنا ۔ نشانہ باندھنا ۔ گزرنا ۔ آنسو بہانا ۔ دہکنا ۔ ہوش اُڑنا ۔

سید سلیمان ندوی رح
۱۸۸۴ء ——— ۱۹۵۳ء

رسولِ اکرمؐ کے اَخلاق

کسی نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے پوچھا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ اُنھوں نے کہا: ”کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے۔“ غرض آپؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور یہ بھی آپؐ کا ایک معجزہ ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت دی اور کہا:

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

(یعنی) بے شک اے محمدؐ! آپ حُسنِ اخلاق کے بہت بڑے مرتبے پر ہیں

حضورؐ نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحم دل تھے۔ چھوٹے بڑے سب سے محبت کرتے۔ نہایت سخی، فیاض اور داد دہش والے تھے۔ امکان بھر سب کی درخواست پوری کرتے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر ”نہیں“ نہیں کہا۔ خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی۔ اُن کے پاس ولیمے کا کچھ سامان نہ تھا۔ حضورؐ نے اُن سے فرمایا کہ عائشہ رض کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ حالاں کہ اس آٹے کے سوا شام کے لیے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ فیاضی اور دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز بھی ہوتی تو جب تک وہ سب

خیرات نہ کردی جاتی آپؐ اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فِدَک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غَلّہ بھیجا۔ اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی کچھ بچ رہا۔ آپؐ نے کہا جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جاسکتا۔ رات مسجد میں بسر کی، دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غَلّہ تقسیم ہوچکا ہے تب گھر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بڑے مہمان نواز تھے۔ آپؐ کے یہاں مُسلمان، مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے۔ آپؐ سب کی خاطر کرتے اور خود ہی سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کو کِھلا پلا دیا جاتا اور پورا گھر فاقہ کرتا۔ راتوں کو اُٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ اُن کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اپنے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے۔ مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہوکر بیٹھتے۔ مسجد نبویؐ کے بنانے اور خندق کھودنے میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے بھی کام کیے۔

غریبوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ ایسا ہوتا کہ ان کو اپنی غریبی محسوس نہ ہوتی۔ ان کی مدد فرماتے اور اُن کی دل جُوئی کرتے۔ اکثر دُعا مانگتے تھے کہ خداوند مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اُٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔ آپؐ مظلوموں کی فریاد سُنتے اور انصاف کے ساتھ اُن کا حق

دلاتے کمزوروں پر رحم کھاتے، بےکسوں کا سہارا بنتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے۔ حکم تھا کہ جو مُسلمان مرجائے اور اپنے ذمّے قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کروں گا اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

آپؐ بیماروں کو تسلّی دیتے، ان کو دیکھنے جاتے، دوست دشمن اور مومن و کافر کی اس میں کوئی قید نہ تھی۔ گنہگاروں کو معاف کردیتے، دشمنوں کے حق میں دُعائے خیر فرماتے۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ کرنے والوں تک سے بدلہ نہیں لیا۔ ایک بار ایک شخص نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا۔ صحابہؓ اس کو گرفتار کرکے سامنے لائے وہ آپؐ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"ڈرو نہیں، اگر تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کرسکتے تھے۔"

ہبار بن الاسود جو ایک طرح سے حضورؐ کی صاحبزادی زینبؓ کا قاتل تھا فتح مکّہ کے موقع پر اُس نے چاہا کہ ایران بھاگ جائے لیکن وہ سیدھا حضورؐ کے پاس آیا اور کہا "یا رسُول اللہؐ! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا لیکن آپؐ کا رحم وکرم یاد آیا۔ اب میں حاضر ہوں اور میرے جن جرموں کی خبر آپؐ کو ملی ہے وہ درست ہیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کردیا۔

ہمسایوں کی خبر گیری کرتے، اُن کو تحفے بھیجتے، اُن کا حق پورا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک دن صحابہؓ کا

مجمع تھا، آپؐ نے فرمایا :

"خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔"

صحابہؓ نے پوچھا : "کون یا رسول اللہؐ ؟" فرمایا :

"جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا ہوا نہ ہو۔"

آپؐ اپنے پڑوسیوں کے گھر جاکر اُن کے کام کر آتے۔ پڑوسیوں کے سوا اور جو بھی آپؐ سے کسی کام کے لیے کہتا اس کو پورا فرماتے۔ مدینے کی لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں : "یا رسول اللہؐ میرا یہ کام ہے۔" آپؐ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کا کام کردیتے۔ بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند، سب ہی کی ضرورتوں کو آپؐ پورا فرماتے اور دوسروں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے۔

بچّوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، اُن کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ فصل کا نیا میوہ سب سے کم عمر بچّہ جو اس وقت موجود ہوتا اس کو دیتے۔ راستے میں بچّے مل جاتے تو خود ان کو سلام فرماتے۔ اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل رہی ہیں لیکن ہمارے حضورؐ نے اُن پر بہت احسان فرمایا، اُن کے حقوق مقرر فرمائے اور اپنے برتاؤ سے ظاہر فرما دیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے، بلکہ عزّت اور ہمدردی کے لائق ہے۔ آپؐ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا۔ عورتوں کی درخواست پر آپؐ نے ان کے لیے ایک خاص دن مقرر فرما دیا تھا۔ عورتیں دلیری اور بے تکلّفی سے آپؐ سے مسائل پوچھتیں، لیکن آپؐ بُرا نہ مانتے، ان کی خاطرداری کا خیال رکھتے تھے۔

آپؐ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے اس لیے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور ناانصافی کو پسند نہ فرماتے تھے۔

یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے وہ بھی آپؐ کو گوارا نہ تھی اور ان بے زبانوں پر جو ظلم ہوتا آیا تھا اُس کو روک دیا۔

ایک بار ایک صاحب نے ایک پرندے کا انڈا اُٹھالیا، چڑیا بے قرار ہوکر پَر مار رہی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کہ کس نے اس کا انڈا لیا ہے اور اس کو دکھ پہنچایا ہے؟ ان صاحب نے کہا "یارسول اللہؐ! میں نے یہ کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "وہیں رکھ دو۔"

آپؐ کی نظر میں امیر غریب سب برابر تھے۔ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ لوگوں نے حضرت اُسامہؓ جن کو آپؐ بہت چاہتے تھے ان سے سفارش کرائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا کہ:

"تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب معمولی آدمی جرم کرتا تو وہ سزا پاتا۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپؐ کی خدمت میں گزارے مگر آپؐ نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا اور یہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک فوج کا جرنیل جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گزارے اور جس نے کبھی لڑائی کے میدان سے منہ نہیں

موڑا، اس نے اپنے دشمن پر کبھی تلوار نہیں اُٹھائی اور نہ اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا۔ اُحُد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپؐ پر پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی آپؐ اپنی جگہ پر کھڑے تھے اور جاں نثار دائیں بائیں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

اسی طرح حُنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑے تھے۔ صحابہؓ کہتے ہیں، لڑائی کے اکثر معرکوں میں آپؐ وہاں ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑا ہونا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے، مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ اُحُد کے دن جب مشرکوں کے حملے میں سر مبارک زخمی ہوا اور دندان مبارک شہید ہوا، یہ فرماتے تھے:

"خداوندا! انھیں معاف کر کہ یہ نہیں جانتے۔"

سالہا سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپؐ کے دل میں راہ نہ پائی اور آخر وہ دن آیا جب آپؐ اکیلے سارے عرب پر چھا گئے۔ مکّے کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابی نے درخواست کی کہ:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہم لوگوں کے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے۔" یہ سُن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ:

"تم سے پہلے جو لوگ گذرے ان کو آروں سے چیرا گیا اُن کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں جس سے گوشت پوست سب کٹ کٹ جاتا لیکن یہ تکلیفیں بھی اُن کو حق سے نہ پھیر سکیں۔ خدا کی قسم دین اسلام اپنے کمال کے مرتبے پر پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صُنعاء (یمن) سے حضرموت تک

ایک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اُس کو خدا کے سوا
کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"

آپؐ کا وہ عزم اور استقلال یاد ہو گا جب آپؐ نے اپنے چچا کو جواب دیا تھا کہ :

چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں
میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا۔"

ایک بار دوپہر کو ایک لڑائی میں آپؐ ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرما رہے تھے، ایک عرب آیا اور تلوار کھینچ کر بولا : "بتا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تجھ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپؐ نے اطمینان اور تسلّی سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا : "اللہ" وہ یہ جواب سن کر کانپ گیا اور تلوار نیام کرلی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک بھوکا آپؐ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے ازواجِ مُطہّرات میں سے کسی کے یاں کہلا بھیجا۔ جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ نے دوسرے گھروں میں آدمی بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ غرض آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی۔

ایک دن آپؐ بھوک میں ٹھیک دوپہر کو گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے۔ یہ دونوں بھی بھوکے تھے۔ آپؐ ان کو لے کر حضرت ایوب انصاریؓ کے گھر آئے۔ ان کو خبر ہوئی تو دوڑے آئے اور باغ سے جاکر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا اور سامنے لاکر رکھا۔ آنحضرت

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ :
"یہ فاطمہؓ کے یہاں بھجواؤ، اس کو کئی دن سے
کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے تو حالت یہ تھی کہ آپؐ کی زرہ تین سیر جَو پر ایک یہودی کے پاس گرو تھی۔ جن کپڑوں میں وفات پائی اُن میں اُوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اُٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلّف پسند نہ تھا۔ جو سامنے آجاتا وہ کھا لیتے۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جو مل جاتا اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اُٹھانے کی اجازت آپؐ نے ضرور دی، لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمایا نہ عام مسلمانوں کے لیے۔ آپؐ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے اور اُس کی اجازت مانگتے۔ سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے کہ نظر گھر کے اندر نہ پڑے۔

صفائی کا خاص خیال رہتا۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا۔ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے جو بات ناپسند ہوتی اس کو ٹال دیتے۔ زیادہ تر چُپ رہتے، بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ ہنسی آتی تو مُسکرا دیتے۔

آپؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت اسی کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی۔ صحابہؓ کی محفلوں یا بیویوں کے حجرے میں ہوتے اور یکایک اذان کی آواز آتی، آپؐ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ رات کا بڑا حصّہ خدا کی یاد میں بسر ہوتا۔ کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے پیغمبر تھے۔ پھر بھی فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا تو آپؐ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہورہا تھا کہ چکّی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل رہی ہے۔ ایک بار آپؐ ایک جنازے میں شریک تھے۔ قبر کھودی جارہی تھی، آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے یہاں تک کہ زمین تر ہوگئی پھر فرمایا:

"بھائیو! اس دن کے لیے سامان کررکھو۔"

مشق

۱۔ حضرت عائشہ رضؓ نے حضور انور صؐ کے اخلاق کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟

۲۔ قرآن پاک نے رسولِ کریم صؐ کے متعلق کیا شہادت دی ہے ؟

۳۔ رسولِ کریم صؐ کی سخاوت اور فیاضی کا کوئی واقعہ بیان کیجیے ۔

۴۔ ہبار بن الاسود کون تھا اور رسول کریم صؐ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

۵۔ رسولِ کریم صؐ نے عورتوں کے مرتبے کو بلند کرنے کے لیے کیا ارشاد فرمایا ؟

۶۔ قبیلۂ مخزوم کی عورت کے بارے میں آپ صؐ نے کیا فیصلہ دیا اور کیوں ؟

۷۔ اس مضمون میں حضور اکرم صؐ کے اخلاق حَسَنہ کے بارے میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس کے علاوہ آپ جو کچھ جانتے ہیں وہ تحریر کیجیے ۔

۸۔ بتائیے ذیل کے الفاظ میں کون سے مذکر ہیں اور کون سے مؤنث :۔
خلوص ، شہرت ، خاندان ، اُلجھن ، عافیت ، سمت ، فضا ، دستار ، مناجات ، قیام ۔

۹۔ اسم جامد اور اسم مشتق کے باہمی فرق کو واضح کیجیے اور بتائیے کہ ذیل کے اسماء میں کون سے جامد ہیں اور کون سے مشتق :۔
کرسی ، قاتل ، بُلبل ، مظلوم ، آسمان ، قینچی ، پروردگار ،

۱۰۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے :۔
محنت ، مشقت ، ثروت ، قلب ، محبت ، درود ، فصل ،

مولانا غلام رسول مہر
۱۸۹۵ء ——— ۱۹۷۱ء

سندھ میں علم و فضل

سندھ وہ خطّہ ہے جہاں مُسلمانوں کے قدم سب سے پہلے پہنچے اور اُنھوں نے جا بجا درسگاہیں قائم کرلیں۔ اس کے بعد صدیوں تک باہر سے اہل علم وفضل کی آمد جاری رہی۔ وہ سب پہلے سندھ ہی پہنچتے تھے اور ان میں سے اکثر وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ کتب خانوں کا جیسا اچھا ذوق سندھ میں تھا کسی دوسرے حصّے میں اس کی مثالیں غالباً بہت کم ملیں گی۔ مدّت ہوئی کہ زمانے کے اطوار بدل گئے۔ جن علوم کی تحصیل کو ہمارے ہاں معیارِ علم وفضل مانا جاتا تھا، ان کی قدرو قیمت باقی نہ رہی۔ کتب خانے برباد ہوگئے لیکن آج بھی کوئی شخص سندھ میں سفر کرے تو اکثر چھوٹے چھوٹے مقامات میں اُسے نہایت نادر کتابوں کے ذخیرے مل جائیں گے۔ ایسے لوگ بھی یقیناً ہوئے ہیں جنھوں نے اسلاف کی کتابوں کو بے دردی سے لُٹا دیا اور جواہرات کو کوڑیوں کے مول فروخت کردیا۔ لیکن اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کتب خانے دکھانے پر بھی بہ مشکل راضی ہوں گے کہ مبادا کوئی چیز ضائع ہو جائے۔ آپ اس بُخل کو کتنا ہی ناپسند کریں لیکن اس سے یہ حقیقت تو روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ اسلاف کی متاعِ علم سے بہرہ مند نہ ہونے کے باوجود

ان لوگوں میں تحفظِ کتب کا کیسا جذبہ کار فرما ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کتابوں کو سندھ میں ہمیشہ سے ایک نہایت قیمتی متاع سمجھا جاتا ہے۔

میاں نور محمد خاں کا کتب خانہ

کلہوڑوں کی حکومت کا باقاعدہ آغاز میاں یار محمد خاں سے ہوا جو بحیثیت مجموعی اٹھارہ انیس سال سلطنتِ مغلیہ کے ایک ناظم کی حیثیت میں کام کرتے رہے اور اس مدت میں سے کم وبیش آدھی مدت مختلف کشمکشوں میں گزری۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں فراہمی کُتب کی طرف دل جمعی سے توجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ میاں نور محمد خاں جانشین بنے تو ان کے سامنے نہایت اہم ملکی تنظیمات تھیں اور مسلسل چھوٹی بڑی لڑائیاں جاری رہیں جو میاں صاحب کے نصب العین کی تکمیل میں ناگزیر تھیں۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ سندھ متحد ہوجائے۔
بایں ہمہ نادر شاہ کی آمد سے پیشتر میاں صاحب کے پاس ایک اچھا کتب خانہ جمع ہوگیا تھا۔ نادر شاہ نے جہاں زر وسیم اور جواہرات سمیٹے، وہاں اس علمی دولت کو بھی اُٹھا کر لے گیا۔

ہملٹن کی شہادت

کپتان ہملٹن سنہ ۱۶۹۹ء میں ٹھٹھ آیا تھا وہ لکھتا ہے:

"شہر ٹھٹھہ دینیات، لسانیات اور سیاسیات کی تدریس و تعلیم کے سلسلے میں خاصی شہرت کا مالک ہے۔ وہاں چار سو کالج ہیں، جن میں نونہالوں کو ان علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔"
کالج سے مراد یقیناً ویسے کالج نہیں جیسے ہمارے زمانے میں موجود ہیں۔ ان سے مراد درسگاہیں ہیں۔ پرانے

زمانے میں ایسی ہی درسگاہیں ہر جگہ قائم تھیں۔ یہی ہمارے یہاں نشر و اشاعتِ علوم کا ذریعہ تھیں۔ اکثر درسگاہوں کو حکومت کی طرف سے امداد ملتی تھی، بعض ایسی بھی تھیں جو مختلف علماءِ کرام کی سعی و ہمت کی بدولت چل رہی تھیں۔ ہمارے ملک میں جن اصحاب نے علمی لحاظ سے درجۂ شہرت و امتیاز حاصل کیا وہ انھی درسگاہوں سے اُٹھے تھے۔ یہ درس گاہیں مسجدوں کے ساتھ ملحق ہوتیں۔ زور عمارتوں پر نہ دیا جاتا بلکہ علم پر۔ انھی درس گاہوں سے ابوالفضل، فیضی اور سعداللہ خان علامی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ انھی درس گاہوں اور علماء کی کتابوں سے آج بھی ہمیں روشنی ملتی ہے۔

ٹھٹھے کی آبادی اس زمانے میں کم و بیش ڈھائی لاکھ تھی۔ اس آبادی میں چھوٹی بڑی چارسو درسگاہوں کا وجود بہر حال علمی ذوق کے عام ہونے کی دستاویز ہے۔ مکتبوں میں وہ تمام کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جو مختلف علوم میں بنیاد و اساس کی حیثیت رکھتی تھیں۔

فرید بکھری کی شہادت

شیخ بکھری اپنی بے مثال کتاب "ذخیرۃ الخوانین" (ہملٹن سے تقریباً ربع صدی پیشتر مرتب کی تھی) میں لکھتا ہے:

"ٹھٹھے کے اولیاء، علماء اور شعراء کی گنتی محال ہے۔ یہاں صرف و نحو، دینیات اور شاعری عام ہے۔ مختصر یہ کہ ٹھٹھے کو عراقِ ثانی سمجھنا چاہیے۔"

شیخ فرید اور ہملٹن کی شہادتیں مغلوں کے زمانے سے متعلق ہیں۔ کلہوڑوں کی حکومت کا آغاز شیخ فرید سے کم و بیش ستائیس برس بعد اور ہملٹن سے قریباً دو برس بعد ہوا لیکن ان شہادتوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس علمی پس منظر میں کلہوڑے برسرکار آئے۔ ہمارے سامنے ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ کلہوڑوں نے حتی الامکان تمام اصنافِ علوم کی سرپرستی فرمائی اور ان میں سے اکثر خود اصحابِ علم و فضل تھے۔ بعض نے مختلف علوم میں مقامِ امتیاز حاصل کیا۔

سندھ کے خطے کو اللہ نے بہت سی امتیازی خصوصیات عطا کی ہیں جو عام طور پر لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی ہیں۔ ان خصوصیات میں علم و فضل کی دولت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ دوسرے علمی مراکز سے سندھ کی دوری ہے۔ خلافتِ بغداد کے دور میں جن علماء نے زندگیاں بسر کیں ان میں سے ہر ایک کے نہیں تو کم از کم اکابر کے نام ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ لیکن یہ بات اندلس کے علماء کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔ یہی کیفیت سندھ کی ہے۔

مشق

۱۔ سندھ کے علم وفضل کے بارے میں ہملٹن نے کیا لکھا ہے ؟

۲۔ ٹھٹّھہ کی درسگاہوں میں کون کون سے مضامین پڑھائے جاتے تھے؟

۳۔ شیخ فرید بکھری اپنی کتاب "ذخیرۃ الخوانین" میں کیا لکھتے ہیں ؟

۴۔ ذیل کے جملوں کی وضاحت کیجیے :۔

(ا) اسلاف کی علمی ثروتوں کو بے دردی سے لٹا دیا اور جواہرات کو کوڑیوں کے مول فروخت کردیا۔

(ب) چارسو درسگاہوں کا وجود علمی ذوق کے عام ہونے کی دستاویز ہے۔

۵۔ ذیل کے الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

امتیاز ۔ حاصل ۔ یگانۂ روزگار ۔ رائج ۔ دل جمعی ۔ غیر معروف

۶۔ ذیل کے الفاظ میں سے واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے :۔

دلیل ۔ وسائل ۔ صنف ۔ اُدَباء ۔ طور ۔ اَسلاف ۔ حصّہ ۔ اصحاب خصوصیت ۔ خَلَف ۔

۷۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۸۔ "کتب خانوں کی اہمیت اور افادیت" پر ایک مضمون لکھیے۔

۹۔ ذیل کے مصادرِ لازم سے مصادرِ متعدّی بنائیے :۔ (مثلاً چلنا سے چلانا)

جلنا ۔ دوڑنا ۔ ہنسنا ۔ سونا ۔ جاگنا ۔ اُٹھنا ۔ چمکنا ۔ بہنا ۔

۱۰۔ ذیل کے متعدّی سے متعدّی المتعدّی بنائیے :۔ (مثلاً دیکھنا سے دکھانا۔ دِکھوانا)

اُٹھانا ۔ پیٹنا ۔ پڑھانا ۔ بلانا ۔ کہنا ۔ سینا ۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ولادت : ۱۹۱۲ء

نظریۂ پاکستان

مُسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفرو اِلحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مُسلمان اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مُسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہوگئی تھی۔ چناں چہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت مُجدّدِ الف ثانی رح کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، دین کا خادم بنا لیکن اورنگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروپ نے سر اُٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لیے میسور کے سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی

اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادوں نے مُسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی بُرائیوں کو دُور کرنے کی تحریک شروع کی۔ پھر ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے اپنے مرشد سیّد احمد بریلوی کے ساتھ اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش میں سنہ ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کردیں۔ تاہم اُنھوں نے مُسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کردیا تھا۔ چناں چہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مُسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہوچکا تھا اس لیے انھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس زمانے میں سرسیّد نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مُسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور اُن کے دلوں سے احساسِ کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے۔ لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے مُسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہوگئے۔ نیز اُنھوں نے مُسلمانوں کی مشترکہ زبان اُردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کردیا۔ سرسیّد نے مُسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی

سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے ایک دوست مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں مُسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سرسیّد کے ایک رفیق نواب محسن الملک نے سنہ ۱۹۰۶ء میں کُل ہند مسلم لیگ کے نام سے مُسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کرکے مُسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مُسلمانوں کی اکثریت تھی ختم کرادیا اور سنہ ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرادیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور تُرکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مُسلمان چوں کہ تُرکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے اس لیے اُنھوں نے مالی اور طبّی امداد بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو مُسلمانوں سے عناد پیدا ہوگیا لیکن اُنھوں نے یہاں کے مُسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ہم کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوگی تو ہم کسی طرح بھی تُرکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ چناں چہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور اُنھوں نے تُرکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ یہاں کے مُسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور اُنھوں نے خلافت کے تحفّظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی

میں تحریکِ خلافت شروع کی لیکن اس زمانے میں ہندوؤں نے مُسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شُدّھی کی تحریک شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے سنگٹھن کی تحریک بھی شروع کی۔ پھر سنہ ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شایع کی اس میں مُسلمانوں کے لیے علیحٰدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کرچکے تھے بالکل نظر انداز کردیا۔ پھر تو مُسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور اُنھیں یقین ہوگیا کہ چوں کہ ان کا دین، اُن کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مُسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ سنہ ۱۹۳۰ء میں مُسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے مُسلمانوں کے لیے ایک علیحٰدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مُسلم لیگ کی صدارت کا مستقل عہدہ قبول کیا تو اُنھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کردی۔ آخر کار ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو اُنھوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کردیا کہ جن علاقوں میں مُسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں ایک آزاد مُسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو "قرار دادِ پاکستان" کہتے ہیں جس کی رُو سے مُسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مُفکّرین نے قائم کی ہے۔ دوسری وہ جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی قائم

کی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیّت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیّت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیّت جنوبی ایشیا کے مُسلمانوں کو تحفّظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیّت کی دوسری بنیاد وہ ہے جو رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ملّت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصوّرِ قومیّت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی

اُن کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری

مُسلمانوں کی قومیّت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الٰہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملّت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیّت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطّے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مُسلمان جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطّوں کے

لوگ شامل تھے۔ اُن کو ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیّت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چناں چہ اُنھوں نے اپنی جداگانہ قومیّت یعنی اسلامی قومیّت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا، جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریۂ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کرسکیں اور ایک مُسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اُخوّت، مُساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور عظمتِ کردار کے بغیر نظریۂ پاکستان کو فروغ نہیں ہوسکتا۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مُسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہلِ عالَم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گذرا۔ اُنھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائدِاعظم محمد علی جناح رح کی پُرخلوص قیادت، مُسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عملِ پیہم کی وجہ سے ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریۂ پاکستان کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

نظریۂ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہوکر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریۂ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریۂ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شاندار اور پُرعظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔

مشق

۱۔ نظریۂ پاکستان کا مفہوم کیا ہے ؟

۲۔ شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا مقصد کیا تھا ؟

۳۔ سرسید احمد خان کا ہندو اور مسلمان قوموں کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟

۴۔ کانگریس کا اصل مقصد کیا تھا اور مسلم لیگ کا قیام کیوں عمل میں آیا ؟

۵۔ دنیا میں قومیت کی تشکیل کے دو بنیادی نظریے کون کون سے ہیں ؟

۶۔ مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت کیوں ہے ؟

۷۔ "نظریۂ پاکستان" کے سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے ۔

۸۔ اپنے دوست کو ایک خط لکھیے جس میں بتائیے کہ ہمیں نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہیے ؟

۹۔ عَلَم ، لقب ، خطاب ، کنیّت ، عرف اور تخلص میں سے ہر ایک کی کم از کم تین تین مثالیں دیجیے ۔

۱۰۔ ذیل کے الفاظ سے اسمِ صفت بنائیے (مثلاً کافر سے کافرانہ)

عادل ۔ عاجز ۔ عالم ۔ فقیر ۔ حلیم ۔ حاکم ۔ باغی ۔ مجاہد ۔ شریف ۔ شاعر

۱۱۔ مندرجہ ذیل کے اسم مُکبّر بنائیے : (مثلاً چھری سے چھرا)

راہ ۔ لاٹھی ۔ تختی ۔ گھڑی ۔ ہتھوڑی ۔ رسّی ڈھولک ۔ جھاڑی ۔

۱۲۔ مندرجہ ذیل کے اسم مُصَغَّر بنائیے : (مثلاً پہاڑ سے پہاڑی)

لوٹا ۔ کتاب ۔ نالا ۔ شیشہ ۔ دیگ ۔ پلنگ ۔

دُم ۔ بالا ۔ ڈبا ۔

اُردو اور علاقائی زبانیں

زبان اظہارِ خیال کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اظہارِ خیال اشاروں سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن نامکمل اور تشنہ۔ زبان مختلف انسانوں کو آپس میں جوڑنے اور اتحاد پیدا کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔ ملکوں ملکوں زبان صدیوں سے یہی فریضے انجام دیتی چلی آئی ہے۔ زبان کا علم حاصل کرنے والوں نے ساری دنیا کی زبانوں کو مختلف خاندانوں میں بھی تقسیم کیا ہے۔ ایک دوسرے سے ملتی جلتی زبانیں ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر ساری دنیا میں آباد قومیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے دنیا کی مختلف زبانیں بھی ایک دوسرے سے اثر اور الفاظ قبول کرتی رہتی ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے۔ اس کے علاوہ علاقائی زبانیں ہیں۔ ہمارے صوبے سندھ کی علاقائی زبان سندھی ہے، پنجاب کی زبان پنجابی، سرحد میں پشتو بولی جاتی ہے۔ بلوچستان کے لوگ بلوچی بولتے ہیں اور کشمیر میں کشمیری زبان رائج ہے۔ ان کے علاوہ ہندکو ہے، براہوی ہے، گجراتی ہے، بعض اور مقامی زبانیں بھی ہیں۔ ان سب زبانوں میں آپس میں وہی رشتہ اور تعلق ہے جو پاکستان کے باشندوں کا ایک دوسرے

سے ہے ، پاکستان کے سارے شہری مل جُل کر اتحاد اور اتفاق کے ساتھ اپنے ملک میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ مل جُل کر محنت کرتے ہیں اور ملک کو ترقی دینے کی کوشش کرتے ہیں ، زبانوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ پاکستان میں بولی جانے والی ساری زبانیں ایک دوسرے سے مل جُل کر ملکی اور قومی ترقی میں اپنا کردار انجام دیتی رہتی ہیں۔

اگر آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ پاکستان کی مختلف زبانوں نے ایک دوسرے کو کتنا زیادہ متاثر کیا ہے۔ اُردو کے بعض الفاظ سندھی اور سندھی کے بعض الفاظ اُردو میں بے تکلفی سے استعمال ہوتے ہیں۔ سندھی اور پنجابی میں بھی بہت سے الفاظ مشترک ہیں اسی طرح پشتو اور بلوچی زبانوں کی کیفیت ہے۔ اُردو چوں کہ ہماری قومی زبان ہے۔ لہٰذا اس میں ساری علاقائی زبانوں کے اثرات موجود ہیں اور اس نے بھی ساری علاقائی زبانوں پر اثر ڈالا ہے۔ الفاظ ہی نہیں محاورے ، ضرب الامثال، بیان کے پیرائے اور زبان کے ذریعے سے ظاہر ہونے والے خیالات بھی ایک زبان سے دوسری زبان میں پہنچتے ہیں۔اس طرح کے تبادلوں سے ہر زبان کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس کا دامن وسیع ہوتا ہے۔

جب کوئی خیال کسی زبان میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے بولنے والوں کے خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کی سوچ اس نئے خیال سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرتی ہے۔ یہ عمل ہمارے ملک ہی میں نہیں ساری دنیا میں جاری و ساری ہے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ علاقوں علاقوں میں معاشرے اور

رہن سہن کے کچھ خاص رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ کوئی علاقہ سرد ہے تو وہاں موٹے موٹے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ کسی علاقے میں گرمی زیادہ ہوتی ہے تو وہاں ہلکا پھلکا لباس پہنتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کے مکانوں کا انداز میدانی علاقوں میں رہنے والوں کے مکانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کی زبانوں میں بھی اسی معاشرت اور رہن سہن کا انداز جھلکتا ہے۔ بہت سے الفاظ، محاورے اور ضرب الامثال اس مخصوص رہن سہن کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ پھر یہ الفاظ اس زبان سے دوسری زبانوں میں بھی منتقل ہوتے ہیں اور ایک مخصوص معاشرت کا اثر دوسری معاشرت پر بھی پڑتا ہے۔ اگر الفاظ کے تبادلے کا یہ سلسلہ جاری نہ رہے تو زبان کمزور اور مردہ ہوجائے۔ زبان کی تازگی اور قوّت اسی صورت میں برقرار رہتی ہے جب اس میں نئے نئے الفاظ اور خیالات داخل ہوتے رہیں۔ پاکستانی زبانوں میں بھی یہ عمل کارفرما ہے اور وہ ترقی کر رہی ہیں۔

اپنے وطن پاکستان کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہاں بولی جانے والی سب زبانیں ایک دوسرے سے مِل جُل کر ہی ترقی کرسکتی ہیں۔ جو زبان جتنی توانا ہوگی، اتنی ترقی کرے گی۔ اتنا ہی دوسری زبانوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ وطن کے باشندے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے اور ایک دوسرے کو بہتر طریقے پر سمجھ سکیں گے۔ علاقائی زبانوں کی ترقی قومی زبان کی ترقی ہے اور قومی زبان کی توانائی علاقائی زبانوں کی توانائی ہے۔

پاکستان میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کی خواہش ہر پاکستانی

کے دل میں ہے۔ ہمارا اتحاد و اتفاق اس لیے ہے کہ ہم سب ایک اللہ کے ماننے والے اور ایک رسولؐ کے امتّی ہیں۔ ہمارے مفادات مشترک اور ہمارے مقاصد ایک ہیں ۔اس اتحاد واتفاق کو ہماری زبانیں بھی تقویت پہنچاتی ہیں ۔

ہماری ساری زبانیں بڑی ملنسار ہیں ۔ ایک دوسرے کا لحاظ کرتی ہیں ۔ ایک دوسرے کو ترقی دیتی ہیں ۔ قومی زبان کے ساتھ مِل جُل کر پاکستان میں علم و آگہی کو فروغ دیتی ہیں۔ پاکستانیوں کو ایک دوسرے سے قریب کرتی ہیں ۔ قومی زبان اُردو اگرچہ کسی ایک مخصوص علاقے سے تعلق نہیں رکھتی ، تاہم ملک کے مختلف علاقوں کا دعویٰ ہے کہ اردو وہیں پیدا ہوئی ہے ۔ لسانیات کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اردو سندھ کی سرزمین پر پیدا ہوئی۔ بعض دانشوروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کا تعلق پنجاب سے ہے ، سرحد میں بھی اس قسم کا خیال پایا جاتا ہے ۔ ان خیالات سے یہ نظریہ مستحکم ہوتا ہے کہ ہماری قومی زبان کا تعلق ملک کے ہر علاقے اور ہر علاقائی زبان سے ہے اور یہ قومی اتحاد کا بڑا ذریعہ ہے ۔ اسی وجہ سے یہ قومی رابطے کی زبان بھی ہے اور ہر علاقے کے رہنے والے اسے استعمال کرتے ہیں ۔

زبانیں محض بول چال ہی نہیں یہ انسانی ذہن کو وسعت بھی دیتی ہیں ۔ انسانوں کو شائستہ بھی بناتی ہیں ۔ علم زبانوں ہی کے ذریعے سے اشاعت پاتا ہے ۔ زبانیں پیار ، محبت ، خلوص اور یگانگت کی علامت ہوتی ہیں ۔ ہمارے ملک کی ساری زبانیں ہمیں اتفاق اور اتحاد کا سبق سکھاتی ہیں ۔ ہمیں اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے ۔

مشق

۱۔ پاکستان میں کون کون سی علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں ؟

۲۔ علاقائی زبانوں کی موجودگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہے ؟

۳۔ علاقائی زبانیں قومی زبان کی اور قومی زبان علاقائی زبانوں کی کس طرح مدد کرتی ہے ؟

۴۔ مخصوص رہن سہن کا زبان پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

۵۔ اُردو زبان کی ابتدا کے بارے میں اس مضمون سے کیا معلومات حاصل ہوتی ہیں ؟

۶۔ مندرجہ ذیل الفاظ اور ترکیبوں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔
موثر ترین ، اظہارِ خیال ، تشنہ ، فریضہ ، رائج ، کیفیت ، مشترک ، معاشرہ ، توانا ، مفاد ، علم وآگہی ، قومی اتحاد ،

۷۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کے باہمی تعلق کے بارے میں ایک پیراگراف لکھیے :۔

مرزا غالبؔ کا پورا نام تھا "مرزا نوشہ نجم الدولہ دبیرالملک اسد اللہ خان غالبؔ " اس میں " مرزا نوشہ " ان کی عرفیت تھی ، کیوں کہ اُن کے دوست ، احباب ، عزیز و اقارب انھیں پیار سے اس نام سے پکارتے تھے ۔ نجم الدولہ اور دبیرالملک ان کے خطاب تھے ۔ جو انھیں حکومت وقت نے دیے تھے۔ اسد اللہ خان ان کا اصلی نام تھا اور غالبؔ ان کا تخلص تھا۔

اسی طرح خالد بن ولید کا پورا نام تھا " سیف اللہ خالد بن ولید " اس میں سیف اللہ ان کا لقب تھا کیوں کہ اپنی بہادری کی وجہ سے وہ سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کہلاتے تھے ۔ خالد ان کا اصلی نام تھا۔ اس کو اسمِ عَلَم کہتے ہیں۔ ابن ولید

یعنی "ولید کا بیٹا" ان کی کنیّت تھی کیوں کہ اپنے والد کی نسبت سے وہ ابن ولید کہلاتے تھے۔

اب آپ عَلَم۔ لقب۔ خطاب۔ عرفیت، کنیّت اور تخلص کی ایک ایک مثال دیں۔

۸- ذیل کے مصادر سے حاصل مصدر بنائیے :- (ہنسنا سے ہنسی)

جلنا۔ اڑنا۔ دوڑنا۔ گھبرانا۔ دھونا۔ سینا۔ بُلانا۔ مارنا۔ بیچنا۔ دھکنا۔

"قاتل" اسمِ فاعل ہے اور مقتول اسمِ مفعول۔

آپ ان مثالوں کو پیش نظر رکھ کر اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کی کم از کم تین تین مثالیں دیجیے۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
۱۸۳۶ء —— ۱۹۱۲ء

سچّی ہمدردی

ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی مجھ کو اماں جان نے بنا دی تھی۔ وہی ٹوپی اوڑھے ہوئے میں خالہ جان کے یہاں جاتا تھا۔ میاں مسکین کے کوچے میں پہنچا تو بہت سے چپراسی پیادے ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں موجود تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے، چھوٹے چھوٹے کئی بچے ہیں، سرکاری پیادے اس کے میاں کو پکڑے لیے جا رہے ہیں۔ اس واسطے کہ اس نے کسی بنیے کے یہاں سے ادھار کھایا تھا اور بنیے نے اس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد مانتا تھا قرضہ واجب ہے، مگر میں کیا کروں اس وقت بالکل تہی دست ہوں۔ ہر چند اس بے چارے بنیے کی اور سرکاری پیادوں کی بہتیری خوشامد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لیے جاتے تھے۔ لوگ جو وہاں کھڑے تھے اُنھوں نے بھی کہا "لالہ جیہاں تم نے اتنے دنوں صبر کیا دس پانچ روز اور صبر کر جاؤ" تو۔ بنیا بولا: "اچھی کہی، میاں جی اچھی کہی، برسوں کا ناتواں اور روج کی ٹال مٹول، بھگوان جانے ابھی تو کھاں صاحب کی اِجتّت اتروائے لیتا ہوں۔"

وہ شخص جس پر ڈگری جاری تھی غریب تو تھا لیکن

غیرت مند بھی تھا۔ بنیے نے جو عزت اُتروانے کا نام لیا سُرخ ہوگیا اور گھر میں گھس تلوار میان سے نکال، چاہتا تھا کہ بنیے کا سر الگ کردے کہ اس کی بیوی اس کے پیروں میں لپٹ گئی اور رو کر کہنے لگی: "خدا کے لیے کیا غضب کرتے ہو! یہی تمھارا غصّہ ہے تو پہلے مجھ پر اور بچّوں پر ہاتھ صاف کرو۔ کیوں کہ تمھارے بعد ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانہ نہیں"۔ ماں کو روتا دیکھ بچّے اس طرح دھاڑیں مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا اور دوڑ کر سب کے سب باپ کو لپٹ گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خاں صاحب بھی ٹھنڈے ہوئے اور تلوار کو میان کر کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا: "اچھا تو نیک بخت پھر مجھ کو اس بے عزتی سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا"۔ بی بی نے کہا: "بلا سے جو چیز گھر میں ہے اس کو دے کر اس طرح اپنا پنڈ چھڑاؤ۔ تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہوگی دیکھی جائے گی۔ توا، چکّی، پانی پینے کا کٹورا، نہیں معلوم کن وقتوں کی ہلکی ہلکی بے قلعی دُو پتیلیاں، بس یہی اس گھر کی کُل کائنات تھی۔ چاندی کی دُو چوڑیاں لیکن ایسی پتلی جیسے تار اس نیک بخت عورت کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان خاں صاحب نے باہر لاکر اس بنیے کے روبرو رکھ دیا۔ اوّل تو بنیا ان چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا۔ لوگوں نے بہت کچھ کہا سُنا، یہاں تک کہ ان سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا، انھوں نے بھی بنیے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کر کے وہ اس بات پر رضا مند ہوا کہ پانچ روپے اصل اور دُو روپے سود ساتوں کے ساتوں دے دیں تو فارغ خطی

لکھ دیں، لیکن خاں صاحب کا کل اثاثہ چار ساڑھے چار سے
زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ
ڈھائی روپے کی کسر رہ گئی ہے تو بی بی نے کہا: "اب کوئی
چیز بھی میرے پاس نہیں۔ ہاں لڑکی کے کانوں میں چاندی کی
بالیاں ہیں، دیکھو جو ان کو ملاکر پوری پڑے۔" وہ لڑکی کوئی
چھ برس کی تھی بس بعینہٖ جتنی ہماری حمیدہ۔ ماں جو لگی اس
کی بالیاں اُتارنے تو وہ لڑکی اس حسرت کے ساتھ روئی کہ مجھ
سے ضبط نہ ہوسکا اور میں نے دل میں کہا کہ الٰہی اس وقت
مجھ سے کچھ بھی اس کی مدد نہیں ہوسکتی! فوراً خیال آیا کہ
ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس
ہیں۔ دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خاں صاحب کا سارا
قرضہ چُک جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی فوراً میں گلی کے باہر
نکل آیا۔ رومال تو سر سے لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے
ایک گوٹے والے کو دکھائی اس نے چھ کی آنکی۔ میں نے بھی
چھوٹتے ہی کہا لا بلا سے چھ ہی دے۔ غرض چھ وہ اور ایک میرے
پاس نقد تھا ہی، ساتوں روپے لے میں نے چپکے سے اس عورت
کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ تب تک پیادے خاں صاحب کو گرفتار
کرکے لے جاچکے تھے اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعتہً
پورے سات روپے ہاتھ۔ میں دیکھ اس عورت پر ایک شادیٔ مرگ
کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور اس خوشی میں اس نے کچھ نہ سوچا
کہ یہ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا ہے، فوراً اپنے
ہمسائے کو روپے دے کر دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے
میں آکھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خاں صاحب چھوٹ آئے تو

بچوں کو کیسی خوشی کہ کودیں اور اُچھلیں۔ کبھی باپ کے کندھے پر اور کبھی ماں کی گود میں، کبھی ایک پر ایک اب اس عورت کو میرا خیال آیا اور بچوں سے بولی : "کم بختو! کیا اودھم مچائی ہے۔ (اور میری طرف اشارہ کرکے کہا) دعا دو اس اللہ کے بندے کی جان و مال کو جس نے آج باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں تو ٹکڑا بھی مانگے نہ ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا کہ اس کو تمھارا درد ہوتا اور اس مصیبت کے وقت تمھاری دست گیری کرتا؟ صرف ایک باپ کے دم کا سہارا ہے کہ اللہ رکھے اس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنت سے مزدوری سے خدا کا شکر ہے روکھی سوکھی روز کے روز دو وقت نہیں تو ایک ہی وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے رحمت کا فرشتہ ہے۔ نہ جان نہ پہچان، نہ رشتہ نہ ناتا اور اس اللہ کے بندے نے مٹھی بھر روپے دے کر آج ہم سب کو نئے سرے سے زندہ کیا۔" وہ بچے جس شکرگزاری کی نظر سے مجھ کو دیکھتے تھے اس کی مسرت اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔ روپیہ خرچ کرنے کے بعد مجھ کو عمر بھر ایسی خوشی نہیں ہوئی جیسی کہ اُس دن تھی۔ مگر دونوں میاں بیوی کے ذہن میں اس وقت تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ ان کو دے دیا۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ قرض کے طور پر دیا ہے۔ میں تو کھسکنے کو تھا مگر وہ عورت زبردستی مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی میں ہرچند منع کرتا رہا، جلدی سے اُس کو اپنے دوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی : "نوج

کوئی تم جیسا بے خبر ہو! کھڑے کیا ہو۔ جاؤ ایک گلوری بازار سے میاں کے لیے بنوالاؤ۔" میں: "نہیں میں پان نہیں کھاتا تکلیف مت کرو۔"

عورت: "بیٹا، تمھاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف! جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمھارے تلووں میں بچھادوں۔ قربان اس پیاری پیاری صورت کے۔ نثار اس بھولی بھالی شکل کے، بیٹا تم یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون؟"

میں: "میری خالہ میاں صابر بخش کی سرائے میں رہتی ہیں۔"

عورت: "پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے کب لوگے؟ ہم اپنا اور بچّوں کا پیٹ کاٹیں گے اور تمھارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے۔ مگر کام ان دنوں مندا ہے۔ دیں گے تو ہم جس طرح بن پڑے گا دو ہی مہینے میں، مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے۔ اللہ اتنا سلوک اور کرو کہ دو روپے مہینہ قسط کا لے لیا کرو۔"

میں: "آپ روپے ادا کرنے کا کچھ فکر نہ کیجیے، میں نے لینے کی نیت سے نہیں دیا۔"

یہ سُن کر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کرسکتا اور میں ان میں اس وقعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزار رعایا میں کوئی بادشاہ یا حلقہ مریدانِ ارادتمند میں کوئی پیرو مُرشد۔ اس عورت کے منہ سے مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی۔ بار بار میری بلائیں لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چومتی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اس کی بلاؤں میں رومال

سر پر سے کھسک گیا تو اس نے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ بچھی جاتی تھی۔ سات روپے کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر اس نے مجھ کو سیکڑوں ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اس نے جو اتنی احسان مندی ظاہر کی تو میں الٹا اسی کا ممنون ہوا۔ جس قدر وہ خوشامد کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا اور جتنا وہ عاجزی سے پیش آتی تھی میں زمین میں گڑا جاتا تھا۔

مشق

۱ - علیم نے مسکین کے کوچے میں کیا منظر دیکھا ؟

۲ - بنیے نے خاں صاحب پر ڈگری کیوں کروائی تھی ؟

۳ - خاں صاحب نے تلوار کیوں نکالی اور ان کی بیوی نے کیا کہہ کر ان کو روکا ؟

۴ - علیم کو سب سے زیادہ کس چیز نے متاثر کیا ؟

۵ - علیم نے اس خاندان کی کس طرح مدد کی ؟

۶ - بنیے کے ظلم وستم سے اس مظلوم خاندان کو نجات دلا کر علیم نے کیا محسوس کیا ؟

۷ - سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۸ - "نیکی سب سے بڑی عبادت ہے"۔ اس عنوان پر ایک مضمون لکھیے۔

۹ - پانچ جملے ایسے لکھیے جن میں "نے" استعمال کیا گیا ہو اور پانچ جملے ایسے لکھیے جن میں "کو" استعمال کیا گیا ہو۔ (یہ خیال رکھیے کہ جملے ایک ہی قسم کے نہ ہوں)

راشد الخیری
۱۸۶۸ء — ۱۹۳۶ء

توصیف کا خواب

یہ صرف تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ سلطان توصیف ایک غریب باپ کی بیٹی اور معمولی ماں کی بچی داؤد جیسے مُتموّل تاجر کی بہو بنی۔ باپ کے بعد اس کا شوہر موسیٰ ایک کروڑ پتی سوداگر تھا جس کی دو چار نہیں بیسیوں کوٹھیاں اور دس پانچ نہیں سیکڑوں کارخانے اِدھر اُدھر موجود تھے۔ بنگال کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جہاں موسیٰ کی تجارت نہ ہو۔ اس شادی کا سبب اور نکاح کی وجہ توصیف کی تقدیر یا موسیٰ کی قدردانی، تعلیم کا انجام یا شرافت کا نام جو کچھ بھی ہو اس نکاح کا نباہ اور اس کاج کی لاج کا سہرا توصیف کے سر ہے۔ خدا کی شان نظر آتی ہے کہ وہ موسیٰ جس نے کبھی خدا کے سامنے سر نہ جھکایا ہو، بیوی کا کلمہ پڑھ رہا ہے اور وہ توصیف جس کے جہیز کی کائنات ایک صندوق برات کے ساتھ تھا، دن رات جواہرات میں کھیلتی۔ یہ صرف علم ہی کا طفیل اور تعلیم کا صدقہ تھا۔ مردانے میں نکاح ہو رہا ہے، زنانے میں مہمان بھرے ہیں اور توصیف سلطان اس خیال میں غرق ہے کہ بیل منڈھے چڑھتی دکھائی نہیں دیتی۔ دولت جس کے کاٹے کا منتر نہیں، صورت جس کے جادو کا اُتار نہیں، دونوں غائب۔ اب لے دے کر رہی سیرت، محبت، عادت، خصلت یہی ہتھیار ہیں جن پر فتح کا دارومدار ہے۔ خدا ہی بیڑا پار کرے تو ہو۔ بظاہر

تو کشتی منجدھار میں ڈوبی۔

سسرال پہنچی تو رئیسانہ شان، امیرانہ ٹھاٹ، نوکروں کا زور، ماماؤں کا شور، دولت کی کثرت، روپے کی ریل پیل۔ چاہیے تھا کہ باغ باغ ہوتی، نہال نہال ہوتی، مطلق نہیں۔ ہر وقت اپنی دُھن میں غرق اور فکر میں شرابور۔ موسیٰ امیر کا بچّہ، لاڈلا اور اکلوتا۔ دنیا اس کے قدموں میں آنکھیں بچھائے، الفت سے ناآشنا، محبّت سے ناواقف، فرض کی وقعت اور حقوق کی عزت اس کی نگاہ میں ہو ہی نہ سکتی تھی۔ ایسے شوہر کے دل میں گھر کرنا لوہے کو نرمانا اور پتھر کو جونک لگانا تھا۔ مگر بندگی کرنے سے کہتے ہیں خدا ملتا ہے۔ توصیف نے اپنے سامنے صرف رضامندئ شوہر کا مقصد رکھا اور اس کے حصول میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ تعلیم کی طاقت بھی کچھ کم وزن نہ رکھتی تھی، مگر بحیثیت مجموعی داؤد کا پانسا بہت زبردست تھا۔ وہ تموّل کے ساتھ دولتِ حُسن سے بھی مالامال تھا اور اس کا حق توصیف کے مقابلے میں قطعاً فائق تھا۔ ان حالات میں بیوی کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ صورت کی کمی اطاعت سے پوری کرے۔

نکاح کے وقت موسیٰ کے ماں اور باپ دونوں زندہ تھے اور دونوں عاشق زار۔ وہ فطرتاً گوارا ہی نہ کر سکتے تھے کہ بچّے کے دل پر محبّت کا چرکا تو درکنار آنکھ میں ملال کا میل تک نہ آئے۔ لیکن جال اور دانہ دونوں سامنے تھے اور موسیٰ کی کیفیت اس وقت بالکل اس پرند کی سی تھی جو پھندے میں پھنستے ہی جھٹکا مارے اور پھڑپھڑا کر نکل جائے۔ اگر توصیف اس وقت

پورا لاسہ نہ لگاتی تو موسیٰ چلا ہی تھا۔ اس نے ایک تین ہی مہینے میں وہ خدمت کی کہ اکیس برس کی کھِلائی بُڑھیا کی خدمات دل سے بھلا دیں۔ توصیف کا عورت ہونا اس کی کمزوری نہ تھا بلکہ دوسرے سامان تھے، دوسرے اسباب تھے، دوسرے باعث تھے۔ شکل و صورت کے اعتبار سے، مالی حالت کے اعتبار سے، عزّت و وجاہت کے اعتبار سے وہ کمزور اور یقیناً کمزور تھی۔ اس گڑھے کو بھرنا اس کا فرض تھا۔ اِطاعت سے بھرا، خدمت سے بھرا، سچ بھرا، جھوٹ بھرا غرض جس طرح بھرا، جائز اور درست۔

باوجود اس اعتراف کے، موسیٰ اور توصیف کے حقوق قریب قریب برابر تھے۔ ہم توصیف کی اس دور اندیشی کی لاریب داد دیں گے کہ اس کا یقین، اس کا ایمان، اس کا عقیدہ ہمیشہ یہ رہا کہ اس کے گھر میں اضافہ بامعنیٰ ہے۔ اس وقت، جب میری ہستی اضافہ کرے موسیٰ کی راحتوں میں۔ اس یقین کا ثمرہ، اس عقیدے کا نتیجہ، اس ایمان کا انجام ظاہر تھا، روشن تھا، صاف تھا کہ ایک موسیٰ کیا ادنیٰ سے اعلیٰ اور چھوٹے سے بڑا ہر مُتَنَفِّس اس کا گرویدہ تھا۔

(۲)

توصیف کی زندگی کا یہ دور اور بے فکری کے دن پانچ سال تک مستقل رہے۔ چھٹے سال ساس کی موت نے اس کی حالت میں ایک خاص تغیّر کیا اور اب داؤد کی بہو گھر کی مالکہ بنی۔ اس اکرام و اعزاز نے ایک اور ذمّے داری بڑھائی اور اب خسر کی راحت و آسائش کا بار بھی اس کے سر تھا۔ اس ترازو

میں بھی توصیف ٹاکم ٹوک اتری ۔ اس خوش اسلوبی سے فرائض ادا کیے کہ داؤد بیٹے سے زیادہ بہو کا دلدادہ تھا۔ توصیف کی یہ خدمت یا اطاعت، خیال یا فکر، عارضی اور چند روزہ تھا۔ مگر اس کی تہ میں بیش بہا خزانے اور بیش قیمت جواہرات پوشیدہ تھے ۔ روحانی یا جسمانی اذیت جو اس سلسلے میں توصیف نے بھگتی، فانی تھی، مگر اس کے پھل رہنے والے اور پھول مہکنے والے تھے۔ بڈھا داؤد قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ دو ہی سال میں رخصت ہوگیا لیکن اس قلیل مدت میں توصیف نے وہ زیور جمع کرلیا جو آخر وقت تک جگمگایا اور وہ پھول چُنے جو مرتے دم تک نہ مُرجھائے۔

داؤد کے بعد توصیف اب گھر کی ملکہ تھی ۔ جائداد، علاقہ، روپیہ پیسہ، ہر چیز کی مالک ۔ موسیٰ کہنے کو خدائے مجازی اور حقیقۃً معمولی غلام ۔

(۳)

بُرا ماننے کی بات نہیں ۔ مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کے دَورِ موجود میں دولت لامذہبی کی جڑ ہے ۔ مسلمان دولت مند ہوکر نماز کا پابند کم ہی دیکھنے میں آیا ہے ۔ غریب، جس نے مفلسی میں تہجد اور اشراق تک ناغہ نہ کی، مالدار ہوتے ہی مذہب کو طاق میں رکھ، خدا سے ایسا فرنٹ ہوا کہ جیسے کبھی واسطہ ہی نہ تھا ۔ اس اصول کے تحت ہیں موسیٰ کا اسلام روشن اور ظاہر۔ مگر ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس نے بیوی کے نماز روزہ پر کبھی ناک بھوں نہ چڑھائی ۔ اس کی اور توصیف کی عبادت میں جو زمین و آسمان کا فرق تھا اس کی ذمہ دار وہ خود

تھی یا اس کی دولت۔

دریائے ہگلی کے کنارے پر ایک عظیم الشان کوٹھی ہے جس کے چاروں طرف ایک سرسبز و خوشنما باغ مہک رہا ہے۔ جس میں توصیف اپنے شوہر اور چار بچّوں سمیت رہتی ہے۔ کسی قسم کا رنج و غم اس کے پاس آکر پھٹکتا تک نہیں۔ داؤد نے یہ کوٹھی کئی لاکھ روپے کے صرف سے ایک گاؤں میں بنوائی تھی اور دُور دُور کے معماروں نے اپنی صنعت کے ایسے نمونے دکھائے تھے کہ آدمی دیکھ کر دنگ رہ جاتا تھا۔ رنگ برنگ کے پھُولوں نے اس ایوان کو جنت بنا دیا تھا۔ میلوں تک ہوا ان کی خوشبو سے مہکی رہتی تھی۔ طائرانِ خوش اِلحان کے نغمے، آبشاروں کی سُریلی آوازیں خواہ مخواہ دلوں میں اُمنگ پیدا کرتی تھیں۔

بہتر سے بہتر زندگی جو دنیا میں کسی عورت کی بسر ہوسکتی ہے وہ توصیف کی تھی کہ موسیٰ اس کے اشاروں پر کٹھ پُتلی کی طرح کام کرتا اور دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ گیارہ سال کے عرصے میں لڑائی جھگڑا تو درکنار کسی قسم کا اختلاف تک سننے میں نہ آیا۔

شام کے وقت ایک روز توصیف پائیں باغ میں ٹہلتی ہوئی باہر نکلی اور سڑک پر آئی۔ موسیٰ ساتھ تھا۔ دونوں میاں بیوی باتیں کرتے پاؤں پیدل دور تک نکل گئے۔ آدمی نہ آدم زاد، سرد موسم، شام کا وقت، مسافت خاک نہ معلوم ہوئی۔ یہاں تک کہ دونوں ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک عمارت کی ٹوٹی ہوئی دیواریں اور گری ہوئی محرابیں اس کے مسجد ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔ توصیف ایک ایسی ماں کے دودھ سے پلی اور ایسے باپ کی گود میں بڑھی تھی جہاں مفلسی نے مذہب کی وقعت رگوں میں کُوٹ کُوٹ کر بھر دی

تھی۔ گو تغیرِ حالت نے توصیف کے خیالات میں بہت کچھ فرق کردیا تھا مگر اسلام کی عظمت وہ جہیز میں لے کر سسرال پہنچی تھی۔ اس وقت یہ دیکھ کر کہ خانۂ خدا اس حالت میں ہو اور کتّے اور گیدڑ اس میں رہیں، دل پر ایک چوٹ سی لگی اور اس نے مُصمَّم ارادہ کرلیا کہ مسجد از سر نو تعمیر کرادوں۔

واپسی پر چند قدم کے فاصلے پر اس نے ایک ٹوٹی سی جھونپڑی دیکھی۔ نہ معلوم کیا دل میں آئی کہ قریب پہنچی اور دیکھا کہ ایک غریب عورت اپنے دو تین بچّوں کو لیے خاموش بیٹھی ہے۔ توصیف کو تعجب ہوا کہ جنگل بیاباں میں یہ بچّوں والی ماں کس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہوگی؟ پوچھا:

"اری! تو کون ہے اور یہاں کیوں رہتی ہے؟"

عورت خاموش رہی اور کچھ جواب نہ دیا۔

توصیف: "نیک بخت! جواب کیوں نہیں دیتی؟"

عورت: "جی ہاں! میں یہیں رہتی ہوں۔"

توصیف: "تو اکیلی رہتی ہے؟"

اس سوال کے جواب میں کچھ ایسی داستان پوشیدہ تھی کہ عورت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

توصیف: "رومت! حالت بیان کر۔"

عورت: "بی بی! کیا فائدہ ہوگا۔ آپ کیوں سُنتی ہیں؟"

اب عورت کا دل زیادہ بھر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور اس کی آواز میں رِقّت طاری ہوچکی تھی۔

توصیف: "بتا اپنی حالت بتا! شاید میں تیری کچھ

مدد کرسکوں۔"

عورت : "بی بی وہ سامنے گاؤں ہے۔ اس کے پاس دو بیگھ زمین اور ایک کنواں میرا ہے۔ میرا شوہر کاشت کرتا تھا اور ہم سب یہاں اطمینان سے رہتے تھے مگر پار سال وہ وبا میں مرگیا۔ زمیندار نے اس کی دوائی ٹھنڈائی بھی کی، مگر نہ بچا۔ چالیس روپے کا حساب اس کے مرے پیچھے زمیندار کا نکلا تھا۔ میرے پاس دانہ خریدنے کو تنکا تک نہ تھا۔ کہاں سے دیتی! اس نے میرا بچّہ لے لیا اور اب مجھے اس سے ملنے بھی نہیں دیتا۔ مجھے اس کی صورت دیکھے پانچ مہینے ہوگئے۔ کئی دفعہ گئی دھتکار دیا۔"

یہاں پہنچ کر عورت کی ہچکی بندھ گئی اور اس نے توصیف کے قدموں میں گر کر کہا کہ بی بی۔ "میرا بچّہ مجھ سے ملوادو خدا تمھاری مامتا ٹھنڈی کرے۔"

موسیٰ : "بس بیگم چلو۔ دیکھو بالکل شام ہوگئی۔"

دونوں میاں بیوی اس عورت کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے گھر آگئے اور صبح ہی توصیف کے حکم سے مسجد کی مرمّت شروع ہوگئی اور ایک مہینے بھر کے عرصے میں نہایت خوب صورت مسجد تیار ہوگئی۔

(۴)

چلّے کی سردی تھی اور کڑکڑاتے جاڑے، وقت کی بات اور ہونی شدنی کہ توصیف کا بڑا لڑکا کلیم خاصہ بھلاچنگا کھیلتا مالتا

اندر آیا اور پلنگ پر لیٹتے ہی اس شدّت کا بخار چڑھا کہ ماں اور باپ دونوں پریشان ہو گئے۔ ڈاکٹر، حکیم، یہ وہ، المختصر شام تک بیسیوں آدمی جمع ہو گئے۔ بارہ برس کا بچّہ اور پہلونٹی کا، دونوں میاں بیوی کا دم ہوا تھا۔ علاج جس قدر توجہ سے ہوتا تھا اسی قدر حالت رَدّی ہوتی جا رہی تھی۔ تین دن اور تین رات یہی کیفیت رہی۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر حالت میں کسی طرح فرق نہ ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود ڈاکٹر بھی مایوسی کی باتیں کرنے لگے۔ چوتھے روز جب کلیم پر بے ہوشی طاری ہوئی اور توصیف کلیجہ پر گھونسے مار رہی تھی اس کو اس عورت کا خیال آیا جس کا بچّہ چالیس روپے کے واسطے اس سے بچھڑا ہوا تھا۔

دن کے تین بجے تھے کہ عورت اپنے بچّے کی یاد میں اپنی جھونپڑی میں خاموش بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ توصیف اس کے پاس پہنچی اور کہا: "چلو میں زمیندار کا روپیہ دوں اور تم اپنا بچّہ لے آؤ۔"

عورت پر ایک شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اُچھل پڑی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی: "کیا آپ میرا بچھڑا ہوا کلیم مجھ سے ملوا دیں گی؟"

توصیف : "کیا تمھارے بچّے کا نام بھی کلیم ہے؟"

عورت : "جی ہاں!"

توصیف : "ہاں چلو، میرے ساتھ چلو۔"

عورت توصیف کے ساتھ چلی مگر راستے بھر اس کی حالت عجیب رہی، وہ توصیف کا منہ دیکھتی تھی، بلبلاتی تھی۔

گڑگڑاتی تھی، ہاتھ جوڑتی اور کہتی تھی: "بیگم! چالیس روپے بہت ہیں مگر میں ہاتھ جوڑوں گی اور دوں گی۔ پانچ چھے روپے کے برتن تو میرے پاس ہیں۔ یہ لے جائیے۔ تین روپے کا ایک ہل ہے۔ باقی روپے جب تک میں نہ دوں آپ میرے کلیم کو اپنے پاس رکھ لیجیے۔ میں دور سے ایک دفعہ روز دیکھ آیا کروں گی۔"

توصیف اپنے بچّے کی علالت میں اس درجہ مُستَغرَق تھی کہ اس کو دنیا و مافیہا کا ہوش نہ تھا۔ وہ کسی بات کا جواب نہ دیتی تھی، نہ دینے کے قابل تھی۔ زمیندار کے گھر پہنچی، تو توصیف کی صورت دیکھتے ہی اس کے اوسان جاتے رہے۔ اس نے روپے دیے تو کہنے لگا: "حضور! آپ نے کیوں تکلیف کی؟ میں وہیں حاضر ہوجاتا۔"

اب ایک عجیب منظر تھا۔ زمیندار نے کلیم کو آواز دی اور ماں کا دل جو بچّے کی جُدائی میں تڑپ رہا تھا، مچھلی کی طرح لوٹنے لگا۔ وہ کبھی دروازے کو دیکھتی اور کبھی توصیف کو۔ اس کے ہاتھ توصیف کی طرف جڑے ہوئے تھے اور زبان سے صرف اتنا کہہ رہی تھی:

"بیگم! تیری مامتا ٹھنڈی رہے۔"

کلیم باہر آیا۔ ماں کی صورت دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چمٹ گیا۔ اس وقت عورت نے فرطِ مسرت میں ایک چیخ ماری اور توصیف کے قدموں میں گر کر کہا:

"اے بیگم! خوش رہ۔ بچھڑا ہوا لال مجھ سے ملا دیا۔"

توصیف کا دل اپنے کلیم میں پڑا ہوا تھا۔ بھاگم بھاگ

آئی تو ڈاکٹر کے یہ الفاظ اس کے کان میں پہنچے ۔
"اگر بخار اُتر گیا تو خیر ۔ ورنہ پھر حالت بہت خطرناک ہوگی ۔"
برابر کے پلنگ پر خاموش لیٹ گئی ۔ رات کے دس بجے ہوں گے ۔ بچّے کا بدن دیکھا تو بدستور چنے بُھن رہے تھے ۔ مایوس ہوکر پھر لیٹی اور یقین ہوگیا کہ اب بخار اُترنے والا نہیں ۔
بارہ بجے کے قریب بخار اور تیز ہوا اور توصیف اب قطعی مایوس ہوگئی ۔ انھی خیالات میں غلطاں و پیچاں لیٹی ہوئی تھی کہ آنکھ لگ گئی ۔ دیکھتی کیا ہے کہ ایک شخص سامنے کھڑا کہہ رہا ہے :-
"توصیف ! خدا کا اصلی گھر تو بچھڑے ہوئے کلیم کی ماں کا دل تھا ۔ تو نے اس کی مامتا کی قدر کی ۔ تیرا بچّہ تجھ کو مبارک ہو ۔ تو نے غریب کلیم کو دلوا دیا ، اُٹھ تو بھی اپنے کلیم سے مل ۔"
توصیف ابھی خواب ہی دیکھ رہی تھی کہ موسیٰ کی اس آواز نے اُسے چونکا دیا : "الٰہی تیرا شکر ہے بخار اُتر گیا ۔"
گھبرا کر اُٹھی تو بچّہ پسینے میں نہا رہا تھا اور بخار کا پتا تک نہ تھا ۔

مشق

۱۔ توصیف سلطان اپنی شادی کے وقت یہ کیوں سوچ رہی تھی کہ اس شادی کا کامیاب ہونا مشکل ہے ؟

۲۔ اس نے اپنے سسرال والوں کا دل کس طرح جیتا ؟

۳۔ توصیف سلطان نے پہلے اللہ کی خوش نودی کس طرح حاصل کرنی چاہی ؟

۴۔ غریب عورت کی دُکھ بھری کہانی بیان کیجیے ۔

۵۔ توصیف کو غریب عورت کے دُکھ کا احساس کب ہوا ؟

۶۔ توصیف نے خواب میں کیا دیکھا ؟

۷۔ اس سبق میں جو دُو اہم نکتے پیش کیے گئے ہیں ۔ان پر روشنی ڈالیے۔

۸۔ ذیل کے محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔

کاج کی لاج ۔ کسی کا کلمہ پڑھنا ۔ بیل منڈھے چڑھنا ۔ باغ باغ ہونا۔ دل میں گھر کرنا ۔ پتھر کو جونک لگانا ۔ لوہے کو نرمانا ۔ پھندے میں پھنسنا۔ لاسا لگانا ۔ گڑھے کو بھرنا ۔

۹۔ ذیل کے جملوں کے مفہوم بتائیے !

(أ) دولت جس کے کاٹے کا منتر نہیں ، صورت جس کے جادو کا اُتار نہیں، دونوں غائب ۔

(ب) ایسے شوہر کے دل میں گھر کرنا لوہے کو نرمانا اور پتھر کو جونک لگانا تھا۔

(ج) خدا کا اصلی گھر تو بچھڑے ہوئے کلیم کی ماں کا دل تھا ۔

۱۰۔ واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیے :۔

وطن ۔ اواخر ۔ عمل ۔ ارواح ۔ فقیر ۔ رؤسا ۔ نور ۔ اخلاق ۔ خلق ۔ الم ۔

خواجہ حسن نظامی
۱۸۷۸ء — ۱۹۵۷ء

بنتِ بہادر شاہ

یہ ایک بے چاری درویشنی کی سچّی بپتا ہے، جو زمانے کی گردش سے ان پر گزری۔ ان کا نام کلثوم زمانی بیگم تھا۔ یہ دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔ میں نے بارہا شہزادی صاحبہ سے خود ان کی زبانی ان کے حالات سُنے ہیں۔ کیوں کہ ان کو ہمارے حضور نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے خاص عقیدت تھی۔ اس لیے اکثر حاضر ہوتی تھیں اور مجھ کو ان کی دردناک باتیں سننے کا موقع ملتا تھا۔ نیچے جس قدر واقعات لکھے گئے ہیں وہ یا تو خود ان کے بیان کردہ ہیں یا ان کی صاحب زادی زینب زمانی بیگم کے جو اب تک زندہ ہیں اور پنڈت کے کوچے میں رہتی ہیں اور وہ حالات یہ ہیں۔

جس وقت میرے بابا جان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج و تخت لٹنے کا وقت قریب آیا تو دہلی کے لال قلعے میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ درو دیوار پر حسرت برستی تھی۔ اُجلے اُجلے سنگِ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ تین وقت سے کسی نے کچھ کھایا نہ تھا۔ زینب میری گود میں ڈھائی برس کا بچّہ تھی اور دودھ کے لیے بلکتی تھی۔ فکر اور پریشانی کے مارے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی اَنّا کے۔ ہم سب اسی یاس و ہراس کے عالم میں بیٹھے تھے کہ حضرت ظلِّ سُبحانی

کا خاص خواجہ سرا ہم کو بلانے آیا۔ آدھی رات کا وقت، سنّاٹے کا عالم، گولوں کی گرج سے دل سہمے جاتے تھے لیکن حکم سلطانی ملتے ہی ہم حاضری کے لیے روانہ ہوگئے۔ حضور مصلّے پر تشریف رکھتے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی۔ جب میں سامنے پہنچی، جھک کر تین مجرے بجالائی۔ حضور نے نہایت شَفَقَت سے قریب بلایا اور فرمانے لگے۔ کلثوم! لو اب تم کو خدا کو سونپا۔ قسمت میں ہے تو پھر دیکھ لیں گے، تم اپنے خاوند کو لے کر فوراً کہیں چلی جاؤ، میں بھی جاتا ہوں۔ جی تو نہیں چاہتا کہ اس آخری وقت میں تم بچّوں کو آنکھ سے اوجھل ہونے دوں۔ پر کیا کروں ساتھ رکھنے میں تمھاری بربادی کا اندیشہ ہے۔ الگ رہوگی تو شاید خدا کوئی بہتری کا سامان پیدا کردے۔

اتنا فرما کر حضور نے دست مبارک دعا کے لیے جو رعشے کے سبب سے کانپ رہے تھے اُٹھائے اور دیر تک آواز سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے رہے۔

"خداوند! یہ بے وارث بچّے تیرے حوالے کرتا ہوں،
یہ محلوں کے رہنے والے جنگل ویرانوں میں جاتے ہیں۔
دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں رہا۔ تیمور کے نام کی
عزّت رکھیو اور ان بے کس عورتوں کی آبرو بچائیو۔ پروردگار!
یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے سب ہندو مُسلمان میری
اولاد ہیں اور آج کل سب پر مصیبت چھائی ہوئی ہے۔
میرے اعمال کی شامت سے ان کو رسوا نہ کر اور سب
کو پریشانیوں سے نجات دے۔"

اس کے بعد میرے سر پر ہاتھ رکھا، زینب کو پیار کیا اور میرے خاوند مرزا ضیاءالدین کو کچھ جواہرات عنایت کر کے نورمحل صاحبہ کو ہمراہ کردیا جو حضور کی بیگم تھیں۔

پچھلی رات کو ہمارا قافلہ قلعے سے نکلا۔جس میں دو مرد اور تین عورتیں تھیں۔مردوں میں ایک میرے خاوند مرزا ضیاءالدین اور دوسرے مرزا عمر سلطان بادشاہ کے بہنوئی تھے۔ عورتوں میں ایک میں، دوسری نواب نورمحل، تیسری حافظ سلطان بادشاہ کی سمدھن تھیں۔جس وقت ہم لوگ رتھ میں سوار ہونے لگے صبح صادق کا وقت تھا۔تارے سب چھپ گئے تھے مگر فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ہم نے اپنے بھرے پُرے گھر پر اور سلطانی محلوں پر آخری نظر ڈالی تو دل بھر آیا اور آنسو اُمنڈنے لگے۔نواب نورمحل کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور پلکیں ان کے بوجھ سے کانپ رہی تھیں اور صبح کے ستارے کا جھلملانا نورمحل کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔

آخر لال قلعے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوکر کورالی گاؤں میں پہنچے اور وہاں اپنے رتھ بان کے مکان پر قیام کیا۔باجرے کی روٹی اور چھاچھ کھانے کو میسر آئی۔اس وقت بھوک میں یہ چیزیں بریانی متنجن سے زیادہ مزیدار معلوم ہوئیں۔ایک دن تو امن سے بسر ہوا مگر دوسرے روز گرد و نواح کے کچھ لوگ جمع ہوکر کورالی کو لوٹنے چڑھ آئے۔سیکڑوں عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں جو چڑیلوں کی طرح ہم لوگوں کو چمٹ گئیں۔تمام زیور اور کپڑے ان لوگوں نے اُتار لیے جس وقت یہ سڑی بُسی عورتیں اپنے موٹے موٹے میلے میلے ہاتھوں سے

ہمارے گلے کو نوچتی تھیں تو ان کے لہنگوں سے ایسی بو آتی تھی کہ دم گھٹنے لگتا تھا۔

اس لوٹ کے بعد ہمارے پاس اتنا بھی باقی نہ رہا جو ایک وقت کی روٹی کو کافی ہوسکتا۔ حیران تھے کہ دیکھیے اب اور کیا پیش آئے گا۔ زینب پیاس کے مارے رو رہی تھی۔ سامنے سے ایک زمیندار نکلا۔ میں نے بے اختیار ہوکر آواز دی' بھائی تھوڑا سا پانی اس بچّی کو لادے۔ زمیندار فوراً ایک مٹی کے برتن میں پانی لایا اور بولا آج سے تو میری بہن اور میں تیرا بھائی۔ یہ زمیندار کورالی کا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس کا نام بستی تھا۔ اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کرکے ہم کو سوار کیا اور پوچھا کہ جہاں تم کہو پہنچادوں۔ ہم نے کہا کہ اجاڑہ ضلع میرٹھ میں میر فیض علی، شاہی حکیم رہتے ہیں۔ جن سے ہمارے خاندان کے خاص مراسم ہیں وہاں لے چل۔ بستی ہم کو اجاڑہ لے گیا، مگر میر فیض علی نے ایسی بے مروّتی کا برتاؤ کیا جس کی کوئی حد نہیں۔ صاف کانوں پر ہاتھ رکھ لیے کہ میں تم لوگوں کو ٹھہرا کر اپنا گھر بار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ میر فیض علی کی اولاد نے یہ کتاب پڑھی تو مجھ سے کہا کہ بیگم صاحبہ کا بیان درست نہیں ہے۔ میر فیض علی نے ان سب کو ٹھہرایا تھا اور مدد دی تھی۔

وہ وقت بڑی مایوسی کا تھا۔ ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریزی فوج آتی ہوگی۔ اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہماری آنکھوں کے اشاروں پر چلتے اور ہر وقت دیکھتے رہتے تھے کہ ہم جو کچھ

حکم دیں فوراً پورا کیا جائے - وہی آج ہماری صورت سے بیزار تھے - شاباش ہے بستی زمیندار کو کہ اس نے زبانی بہن کہنے کو آخر تک نبھایا اور ہمارا ساتھ نہ چھوڑا، لاچار اجاڑے سے روانہ ہوکر حیدرآباد کا رُخ کیا - عورتیں بستی کی گاڑی میں سوار تھیں اور مرد پیدل چل رہے تھے - تیسرے روز ایک ندی کے کنارے پہنچے جہاں کومل کے نواب کی فوج پڑی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے جو سُنا کہ ہم شاہی خاندان کے آدمی ہیں تو بڑی خاطر کی اور ہاتھی پر سوار کرکے ندی سے پار اُتارا - ابھی ہم ندی کے پار اُترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آگئی اور نواب کی فوج سے لڑائی ہونے لگی -

میرے خاوند اور مرزا عمر سلطان نے چاہا کہ نواب کی فوج میں شامل ہوکر لڑیں مگر رسالدار نے کہلا بھیجا کہ آپ عورتوں کو لےکر جلدی چلے جائیے - ہم جیسا موقع ہوگا بھگت لیں گے۔ سامنے کھیت تھے جن میں پکی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی۔ ہم لوگ اس کے اندر چھُپ گئے - ظالموں نے خبر نہیں دیکھ لیا تھا یا ناگہانی طور پر گولی لگی جو کچھ بھی ہوا ایک گولی کھیت میں آئی جس سے آگ بھڑک اُٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا ہم لوگ وہاں سے نکل کر بھاگے پر ہائے کیسی مصیبت تھی کہ ہم کو بھاگنا بھی نہیں آتا تھا - گھاس میں اُلجھ اُلجھ کر گرتے تھے - سر کی چادریں وہیں رہ گئیں - برہنہ سر، حواس باختہ، ہزار دقّت سے کھیت کے باہر آئے میرے اور نواب نور محل کے پاؤں خونم خون ہوگئے - پیاس کے مارے زبانیں باہر نکل آئیں - زینب پر غشی کا عالم تھا - مرد ہم کو سنبھال لیتے

تھے، مگر ہمارا سنبھلنا مشکل تھا۔

نواب نورمحل تو کھیت سے نکلتے ہی چکرا کر گر پڑیں اور بے ہوش ہوگئیں۔ میں زینب کو چھاتی سے لگائے اپنے خاوند کا منہ تک رہی تھی اور دل میں کہتی تھی کہ الٰہی ہم کہاں جائیں۔ کہیں سہارا نظر نہیں آتا۔ قسمت ایسی پلٹی کہ شاہی سے گدائی ہوگئی لیکن فقیروں کو چین و اطمینان ہوتا ہے، یہاں وہ بھی نصیب نہیں۔

فوج لڑتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ بستی، ندی سے پانی لایا ہم نے پیا اور نواب نورمحل کے چہرے پر چھڑکا نورمحل رونے لگیں اور بولیں ابھی خواب میں تمھارے بابا حضرت ظلِّ سُبحانی کو دیکھا ہے کہ طوق و زنجیر پہنے کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ:-

"آج ہم غریبوں کے لیے یہ کانٹوں بھرا خاک کا بچھونا فرش مخمل سے بڑھ کر ہے۔ نور محل! گھبرانا نہیں ہمّت سے کام لینا۔ تقدیر میں لکھا تھا کہ بڑھاپے میں یہ سختیاں برداشت کروں۔ ذرا میری کلثوم کو دکھا دو۔ جیل خانے جانے سے پہلے اُسے دیکھوں گا۔"

بادشاہ کی یہ باتیں سُن کر میں نے ہائے کا نعرہ مارا اور آنکھ کُھل گئی۔ کلثوم کیا سچ مچ ہمارے بادشاہ کو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا؟ کیا واقعی وہ قیدیوں کی طرح جیل خانے بھیجے گئے ہوں گے؟ مرزا عمر سلطان نے اس کا جواب دیا کہ خواب و خیال ہے، بادشاہ لوگ، بادشاہوں کے ساتھ ایسی بدسلوکیاں نہیں کیا کرتے۔ تم گھبراؤ نہیں وہ اچھے حال میں

ہوں گے ۔حافظ سلطان بادشاہ کی سمدھن بولیں یہ موئے فرنگی بادشاہوں کی قدر کیا خاک جانیں گے ۔ خود اپنے بادشاہ کا سر کاٹ کر سولہ آنے کو بیچتے ہیں۔(سکّے کی طرف اشارہ ہے جس میں بادشاہ کے سر کی مورت ہوتی ہے) بوا نورمحل ! تم نے تو طوق و زنجیر پہنے دیکھا ہے میں کہتی ہوں کہ بنیے بقالوں سے تو اس سے بھی زیادہ بدسلوکی دور نہیں ۔ مگر میرے شوہر مرزا ضیاءالدین نے تسکین دلاسے کی باتیں کر کے سب کو مطمئن کردیا ۔ اتنے میں بستی ، ناؤ میں گاڑی کو اس پار لے آیا اور ہم سوار ہوکر روانہ ہوئے ۔ تھوڑی دور جاکر شام ہوگئی اور ہماری گاڑی ایک گاؤں میں جاکر ٹھہری ۔ جس میں مُسلمان راجپوتوں کی آبادی تھی ۔ گاؤں کے نمبردار نے ایک چھپر ہمارے واسطے خالی کرا دیا جس میں سوکھی گھاس اور پھوس کا بچھونا تھا ۔ وہ لوگ اسی گھاس پر جس کو پیال یا پرال کہتے تھے ، سوتے ہیں ۔ ہم کو بھی بڑی خاطر داری سے (جو ان کے خیال میں بڑی خاطر تھی) یہ نرم بچھونا دیا گیا ۔

میرا تو اس کوڑے سے جی اُلجھنے لگا ۔ پر کیا کرتے اس وقت سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا تھا ۔ ناچار اسی میں پڑرہے۔ دن بھر کی تکلیف اور تکان کے بعد اطمینان اور بےفکری میسّر آئی تھی ، نیند آگئی ۔ آدھی رات کو ایکا ایکی ہم سب کی آنکھ کُھل گئی ۔ گھاس کے تنکے سوئیوں کی طرح بدن میں چبھ رہے تھے اور پِسّو جگہ جگہ کاٹ رہے تھے ۔ اس وقت کی بے کلی بھی خدا کی پناہ پِسُّوؤں نے تمام بدن میں آگ لگادی تھی۔ مخملی تکیوں ، ریشمی نرم نرم بچھونوں کی عادت تھی اس لیے تکلیف

ہوئی ورنہ ہم ہی جیسے وہ گاؤں کے آدمی تھے جو بے غل وغش اسی گھاس پر پڑے سوتے تھے۔ اندھیری رات میں چاروں طرف گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں اور میرا دل سہما جاتا تھا۔ قسمت کو پلٹتے دیر نہیں لگتی کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن شہنشاہِ ہند کے بال بچّے یوں خاک پر بسیرے لیتے پھریں گے۔

مشق

۱۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنی بیٹی کو بلا کر کیا کہا اور اس وقت ان کی کیا حالت تھی ؟

۲۔ کلثوم زمانی بیگم کے رخصت ہوتے وقت بادشاہ نے کیا دُعا مانگی؟

۳۔ قافلے میں شاہی خاندان کے کون کون لوگ شامل تھے ؟

۴۔ کورائی گاؤں میں ان خانماں بربادوں پر کیا گزری ؟

۵۔ بستی کون تھا ؟ اس نے شاہی خاندان کے افراد کی کس طرح مدد کی ؟

۶۔ نواب نور محل نے خواب میں کیا دیکھا ؟

۷۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۸۔ "بنت بہادر شاہ" کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

۹۔ مندرجہ ذیل کی تشریح کیجیے :

(ا) جو زمانے کی گردش سے ان پر گزری۔ (ب) درودیوار سے حسرت برستی تھی۔ (ج) تیمور کے نام کی عزت رکھیو۔ (د) میرے اعمال کی شامت سے ان کو رسوا نہ کر۔

۱۰۔ مُلک ۔ مِلک ۔ مَلک ۔ مُلک کی جمع لکھیے ۔

"میدان" اسمِ ظرفِ مکاں ہے کیوں کہ یہ لفظ ایک جگہ کو ظاہر کرتا ہے۔
"رات" اسمِ ظرف زماں ہے کیوں کہ یہ لفظ ایک وقت کو ظاہر کرتا ہے۔
"چاقو" اسمِ آلہ ہے کیوں کہ یہ ایک اوزار کا نام ہے جس کی مدد سے کوئی کام کیا جاتا ہے ۔

۱۱۔ اب بتائیے مندرجہ ذیل الفاظ میں سے کون سے اسمِ ظرف مکاں ہیں اور کون سے اسمِ آلہ ؟

تیغ ۔ باغ ۔ مدرسہ ۔ قندیل ۔ محل ۔ ہتھوڑا ۔ مسجد ۔ شب ۔ صبح ۔ درانتی ۔ چمٹا ۔ دوپہر ۔ سبزہ زار ۔ چولھا ۔ پھکنی ۔

آپ ذیل کی عبارت پر غور کیجیے :

حامد ایک اچھا لڑکا ہے۔ وہ بہت ذہین ہے۔ یہ کتاب جو یہاں ہے۔ اس نے آج ہی خریدی ہے ۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ "حامد" اسمِ عَلَم ہے کیوں کہ وہ کسی خاص شخص کا نام ہے۔ "وہ" اور "اس" اسمِ ضمیر ہیں کیوں کہ یہ حامد کی جگہ استعمال کیے گئے ہیں ۔ "یہ" اسم اشارہ ہے کیوں کہ یہ لفظ کتاب کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔ "جو" اسم موصول ہے کیوں کہ یہ لفظ جملے کے دو حصّوں میں تعلق پیدا کر رہا ہے ۔ "اچھا" اسم صفت ہے کیوں کہ یہ لفظ لڑکے کی صفت بیان کر رہا ہے :

۱۲۔ اب آپ اس سبق میں سے ایسے لفظ منتخب کیجیے جن میں اسم عَلَم اسمِ ضمیر ۔ اسمِ اشارہ ۔ اسمِ موصول اور اسمِ صفت موجود ہوں ۔

سید امتیاز علی تاج
۱۹۰۰ء ——— ۱۹۷۰ء

قُرطبہ کا قاضی

منظر

(غرناطہ میں یحییٰ منصور کے مکان کا ایک ایوان جس کے دریچوں میں سے شہر کے چوک پر نظر پڑ سکتی ہے۔ دائیں ہاتھ کی دیوار میں ایک بڑا سا دریچہ، سامنے کی دیوار میں ایک چوڑا مگر نیچا دروازہ، جس کے پیچھے ایک تنگ اور اندھیری گلی ہے۔ گلی کے دوسری طرف ایک چھوٹا دروازہ جس میں سلاخیں لگی ہیں۔ بائیں ہاتھ پتھروں کا بنا ہوا زینہ اُوپر کے کمرے کے دروازے تک پہنچتا ہے۔ اُوپر کے کمرے کی ایک کھڑکی ایوان میں کھُلتی ہے۔

ایوان میں ایک بڑی میز ہے جس پر ایک شمعدان رکھا ہے۔ میز کے قریب ایک بینچ اور چند کرسیاں پڑی ہیں۔ دیواروں پر اسلحہ اور جانوروں کے سر لگے ہوئے ہیں۔

(صبح کے دھندلکے میں حلاوہ بینچ پر بیٹھی ہے، سر گھٹنوں سے لگا رکھا ہے۔ عبداللہ دروازے میں سے اندر آتا ہے)

عبداللہ : (بھاری آواز میں) شمعیں گل کر دوں ؟

حلاوہ : (آہ سرد کے ساتھ) کر دے۔ شمعیں صبح کو آنے سے

روک نہیں سکتیں۔
(عبداللہ پھونکیں مار کر شمعدان کی تین شمعیں گُل کرتا ہے)۔

حلاوہ : کیسی کالی صبح! میرے رب کیسی کالی صبح!

عبداللہ : کالی اندھوں کے لیے! اُن بدفالوں کے لیے جو گھٹنوں پر سر رکھے نحس کلمے منہ سے نکالتے ہیں۔ پر ربّ العالمین کے فضل و کرم سے ابھی آنکھوں والے بھی موجود ہیں۔ تیری طرح سب اندھے نہیں ہو گئے۔

حلاوہ : (اُس کی پروا نہیں کرتی) یہ صبح دیکھنے کو میں زندہ کیوں رہ گئی! جس کے دودھ کی دھاروں نے اُسے جان بخشی تھی۔ الٰہی تین دن کا تھا جب بیگم نے آنکھیں بند کیں۔ صرف تین دن کا۔ تب میں نے .... میرے سوا دودھ کس کے تھا۔ اُسے دودھ دیا اور زندگی دی اور میرے رب آج کا دن تمام ہونے پر میرا لال کیا ہو گا!

عبداللہ : زندہ ہو گا اور کیا ہو گا؟ عمر پائے گا اور ربّ العالمین کے فضل و کرم سے تجھے اور مجھے ہم دونوں کو قبر کے شگاف میں اُتارے گا۔
(تکان کی ایک آہ کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے)۔

حلاوہ : (گھٹنے سے سر اُٹھا کر آہ بھرتی ہے) اب چارہ کیا رہ گیا؟

عبداللہ : سارے قرطبہ میں ایک شخص نہیں جو کسی کے حکم سے بھی اُسے سولی پر چڑھائے۔ خواہ اُس کے اپنے

باپ کا فتویٰ ہو۔

حلاوہ : باپ قاضی ہے۔

عبداللہ : کہا جو کہ اُس کے فتوے پر عمل نہ ہوگا۔

حلاوہ : باہر سے لوگ بلا لیے جائیں گے جو اُسے ویسے نہیں جانتے جس طرح ہم سب جانتے ہیں۔ انھیں قانون جو کہے گا وہ کر ڈالیں گے۔

عبداللہ : (چڑ کر) لیکن میں بک جو رہا ہوں، نہیں کریں گے۔ آج کے دن شہر میں صرف وہی شخص داخل ہونے پائے گا جو کلام پاک کی قسم کھائے گا کہ اُسے نوجوان زبیر کی سزا سے کچھ سروکار نہ ہوگا، سمجھی گُوڑھ مغز؟ ہمارے آدمی تمام راستوں پر پھیل چکے، ایک ایک ناکے کو روک چکے۔ جس شخص نے قسم نہ کھائی کہ زبیر کا خون اس کے دوش پر نہ ہوگا وہ اندر نہ گھسنے پائے گا اور یہی جواب قاضی کے حکم پر خود اُس کو دیا جائے گا۔ وہ قانون کا غلام ہو یا سلطان کا، آج کے دن اس کے فتوے کی تعمیل نہ ہونے پائے گی۔

حلاوہ : لیکن احمق! ہونی کو کون روک سکتا ہے؟ میری یہی آنکھیں نہیں، جنھیں آنسوؤں نے بے نور کر دیا ہے۔ میری اور آنکھیں ہیں جو دیکھ سکتی ہیں اور جو دیکھ چکی ہیں۔ سولی اور اس سے لٹکتی ہوئی لاش! میرا ننھا! میری جان ننھا! میرا سجیلا نوجوان! جس کا جسم میرے دودھ نے بنایا۔ جس کے خون اور

ہڈیوں میں میرا دودھ ہے۔ میں اُسے مردہ دیکھ چکی! کہتی جو ہوں کہ یوں ہی ہوگا۔ سچ نہ ہوتا تو یہ بات میری زبان سے نکلتی؟

عبداللہ : لیکن اُسے سولی کی سزا ملے کیوں۔ اس کا جرم کیا ہے؟

حلاوہ : میرے بتانے کی ضرورت ہے کہ اس نے خون کیا ہے؟

عبداللہ : ہاں۔ مگر محبت کی خاطر، اپنی غیرت کی خاطر۔ اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ کون کہتا ہے یہ خون ناجائز تھا؟

حلاوہ : نہیں نہیں! اس نے جلن کے مارے خون کیا۔

عبداللہ : محبّت جلن نہیں تو پھر ہے کیا؟

حلاوہ : مقتول نے اُسے کوئی آزار نہ پہنچایا تھا۔

عبداللہ : مقتول کو اس سے محبّت جو تھی۔

حلاوہ : کس کو محبّت نہیں ہوتی۔

عبداللہ : لیکن محبوبہ نے مقتول کو محبّت بھرا خط بھی تو لکھا تھا۔

حلاوہ : محبوبہ کو اس کا حق تھا۔ وہ زبیر کی منگیتر نہ تھی۔ جسے چاہتی پسند کرنے کا حق رکھتی تھی۔

عبداللہ : صرف اپنوں میں سے، اپنے ہم نسبوں میں سے۔ مقتول پرایا تھا اور دوسرے ملک کا باشندہ تھا۔

حلاوہ : وہ قاضی کا مہمان تھا۔

عبداللہ : اور شرافت کا یہ کون سا طور تھا کہ گھر کا مہمان گھر کے نوجوان کی محبّت میں کود پڑے؟ اگر وہ

نہ آتا اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ورغلا نہ لیتا تو زبیر اپنی محبّت میں کامیاب نہ ہوتا؟

حلاوہ : شاید۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ پر لڑکی نے اس وقت تک ہاں نہ کی تھی۔

عبداللہ : اسی بات کا تو زبیر کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس کے رقیب کے پیغام پر ہاں نہ کر دے۔

حلاوہ : اور اسی خدشے نے زبیر کو دیوانہ بنا دیا۔

عبداللہ : اور یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ زبیر نے اپنے رقیب کا کام برابر کی لڑائی میں تمام نہیں کیا؟

حلاوہ : زبیر نے یہ کہا نہیں۔ ایک بار بھی نہیں کہا۔ وہ یہ کہتا تو اُس کا باپ باور کرلیتا۔ پر ان باتوں سے کیا؟ ارے جحتی، اب ان باتوں سے کیا؟ اُس نے خون کیا ہے اور خون کی سزا میں اُسے دار پر لٹکایا جائے گا۔

عبداللہ : (چڑ کر) اور اُسے دار پر لٹکانے تُو جائے گی؟

حلاوہ : (ششدر ہوکر) میں؟

عبداللہ : تو نہ ہو تو اس بھرے شہر میں اور کوئی نہیں جو اپنے ہاتھ اُس کے خون سے آلودہ کرے۔ (اُٹھ کر دریچے کی طرف جاتا ہے) باہر دیکھ! اس ہجوم کو دیکھ جس نے چوک میں سولی کو گھیر رکھا ہے۔ (حلاوہ اُٹھ کر کھڑکی کے پاس جاتی ہے) یہ سب کس بات کے منتظر ہیں؟

حلاوہ : (جیسے سب کچھ جانتی ہے) بتا تو کس بات کے؟

عبداللہ : سمجھتی ہے یہ سولی کا تماشا دیکھنے کو کھڑے ہوئے ہیں؟ یہ اس لیے کھڑے ہیں کہ یہ ناپاک کام نہ خود کریں گے اور

نہ ہونے دیں گے ۔ (ایک سیڑھی چڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھول دیتا ہے) لوگو ! سنو ! تم میں سے کون ہے جو قاضی یحییٰ کے لیے اس کے بیٹے کو سولی پر لٹکا دے ؟
(ہجوم میں سے ناراضی کی مخلوط آوازیں سُنائی دیتی ہیں)
کوئی ہے تو سامنے آئے اور کہے ۔
(خاموشی طاری ہوجاتی ہے ۔ عبداللہ کھڑکی کے پٹ بند کر دیتا ہے ۔)
کیوں ! بولا کوئی شخص ؟ کہا کسی نے کہ وہ زبیر کو سولی پر لٹکا سکتا ہے ؟ کہا جو کہ سارے قرطبہ میں ایک شخص کا ہاتھ نہیں جو اُسے آزار پہنچانے کے لیے اُٹھ سکے ۔
(قاضی یحییٰ بن منصور اوپر کی منزل کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتا ہوا رکتا ہے ۔ ذرا دیر بے حس و حرکت یوں کھڑا رہتا ہے گویا کچھ نہیں دیکھ سکتا)
چپ کیوں ہوگئی ؟ بول ، اب بول نا ؟ کون زندہ شخص ہے جو ان جاں نثاروں کی آنکھوں کے سامنے قانون یا سلطان کے حکم کی تعمیل کی جرأت کر سکے ؟
(قاضی کھڑکی سے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور دروازہ کھولتا ہے)

حلاوہ : چپ ! دیکھ قاضی ! وہ سیڑھیاں اُتر رہا ہے ۔
وہ اِدھر آرہا ہے ۔

عبداللہ : (آہستہ سے) آنے دے ۔

حلاوہ : (سرگوشی میں) لاش کی طرح پیلا !

عبداللہ : چپ !

حلاوہ : آنکھوں میں سے زندگی بجھی ہوئی !

عبداللہ : چُپ !

حلاوہ : جیسے تنہائی میں موت سے کھیلتا رہا ہے۔

عبداللہ : بک مت !

حلاوہ : جیسے روح لاش کو چھوڑ کر آرہی ہے۔

عبداللہ : عورت گونگی ہو جا۔

(قاضی سیڑھیاں اُتر کر کمرے میں آجاتا ہے اور کچھ دیر خاموش کھڑا رہتا ہے)

قاضی : (بھاری آواز میں) موت کا ڈھنڈورا کیوں نہیں پٹ رہا؟ (حلاوہ کے منہ سے سسکی نکل جاتی ہے۔ عبداللہ چُپ ہے)۔ "میں نے کیا کہا، جواب دو"۔

عبداللہ : حضور! ڈھنڈورا پیٹنے والا موجود نہیں۔ آج کے دن کوئی ڈھنڈورا پیٹنے والا نہیں۔

قاضی : کہاں گئے ؟

عبداللہ : حضور! مجھے علم نہیں، یہاں نہیں ہیں۔

قاضی : وہ کہاں ہے۔ وہ شخص جسے مجرم کو پھانسی دینا ہے ؟

عبداللہ : حضور! کہیں گیا ہوا ہے۔

قاضی : کہیں ؟ تو نے کیا کہا "کہیں" ؟

عبداللہ : جی حضور !

قاضی : معنی کیا ؟ "کہیں" ؟

عبداللہ : چلا گیا تھا اندھیرے منہ ہی۔ کہہ کر نہیں گیا کہاں جا رہا ہے۔ یہاں نہیں ہے۔

قاضی : اُدھر باہر کون ہے ...... اور کون ہے ؟

عبداللہ : حضور ! ایسا کوئی بھی نہیں جو آپ کے فتوے کی تعمیل کر سکے۔ ویسے میرے سوا قرطبہ کے سارے مرد گھر کے باہر کھڑے ہیں۔

قاضی : (جلدی سے جیسے یقین نہیں آتا) قرطبہ کے سارے مرد تیرے سوا؟ یہ معنی کہ تعمیل کے لیے تو آمادہ ہے؟

عبداللہ : نہیں حضور! میں تعمیل نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی اور شخص جسے میں جانتا ہوں، کر سکتا ہے۔ اگر حضور کو اس فتوے کی تعمیل کرانی ہے تو ابلیس ہی اس کی تعمیل کر سکتا ہے یا آپ خود۔

(قاضی نے پوری بات نہیں سنی لیکن حلاوہ نے سُن لی ہے۔ اس کے منہ سے خوف کی دبی ہوئی آواز نکل جاتی ہے)۔

قاضی : کیا؟ ..... کیا کہا تھا تونے؟

عبداللہ : (مرعوب ہو جاتا ہے) معاف کیجیے گا حضور۔ میں صرف اپنے متعلق کہہ رہا تھا۔ ربّ العالمین میرا مددگار ہو۔ میں جو بات حق سمجھتا ہوں کہہ رہا تھا۔

(خاموشی۔ نہ کوئی حرکت کرتا ہے، نہ بولتا ہے۔ باہر کے ہجوم میں سے ہلکے ہلکے بولنے کی مدھم آواز آرہی ہے)۔

قاضی : ناظر عدالت کے آدمی کہاں ہیں؟

عبداللہ : نچلی منزل میں حضور۔

قاضی : اُنھیں یہاں بلا لاؤ۔

(عبداللہ جاتا ہے۔ قاضی اضطراراً دو قدم چل کر رُک جاتا ہے۔ حلاوہ سہمی ہوئی کھڑی ہے۔ بے حد ہمت

سے کام لے کر بولتی ہے)۔

حلاوہ : میں حضور سے کچھ پوچھ سکتی ہوں؟

قاضی : کیا ہے عورت؟

حلاوہ : میری بوڑھی زبان سے اللہ تعالیٰ کا عفو و رحم کئی بار بولا لیکن ہر بار اُس نے سُننے والے کانوں کو بہرا پایا، پر اب کی بار میری التجا سُن لیجیے یا مجھے ہمیشہ کے لیے خاموش کر ڈالیے..... میرے حضور یہ وہ بدنصیب بول رہی ہے جس نے مجرم کی ماں کے اُٹھ جانے کے بعد اپنی اولاد کی طرح اُسے کلیجے سے لگایا۔ میرے حضور، خود آپ نے اُس کو مجھے دے ڈالا تھا۔ میں تھی جس نے اُسے زندگی دی اور توانائی بخشی کہ وہ بڑا ہوکر مرد بن جائے۔ میرے حضور کیا آپ ہی مجھ سے وہ زندگی چھین لیں گے؟ اسے.. جسے تب میں نے زندگی بخشی تھی۔ اب کہ وہ جوان ہے آپ کا اپنا گوشت اور خون ہے! اُسے زندہ نہیں رہنا تھا تو یہ سب میں نے کیا کیوں تھا؟ فریاد سُننے والا باپ ہے، تو پروردگار! اولاد کے لیے التجا میں کیوں کر رہی ہوں؟ وہ آپ کا ہے میرا نہیں۔ آپ نے اُسے پیدا کیا میں نے نہیں۔

قاضی : بس اور کچھ نہیں۔ تجھے جو کچھ کہنا تھا تو کہ چکی، میں بہرا نہیں۔

(حلاوہ پھر بولنا چاہتی ہے)

یہاں سے چلی جا عورت! مجھے اکیلا چھوڑ دے۔ چلی جا!

حلاوہ : بہت اچھا حضور! بہت اچھا۔
(سِسکیاں روکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ عبداللہ داخل ہوتا ہے)۔
عبداللہ: حضور! ناظر عدالت کے آدمی آگئے۔
قاضی : کیا؟۔ ہاں آگئے۔ یہاں بلا لاؤ۔
(ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتا ہے۔ ناظر عدالت کے چار آدمی داخل ہوتے ہیں۔ پل بھر خاموشی)۔
تم لوگ سلطان کے نمک خوار ہو اور اطاعت سلطان کا حلف اُٹھا چکے ہو۔ یہی صورت میری ہے۔ آج ایک شخص کو سولی دی جانی ہے ... سولی دینے والا موجود نہیں ... تم میں سے کون ... سنتے ہو میں کیا کہ رہا ہوں۔ اُس کی جگہ تم میں سے کون لے سکتا ہے؟
(کوئی جواب نہیں ملتا)
کوئی شخص آمادہ نہ ہوا تو مجھے خود کسی ایک کو حکم دینا پڑے گا..... ہوں! کوئی نہیں! ... دیکھو فرض ہم سب کو پکار رہا ہے۔ قانون کی اطاعت لازمی ہے.... میں سمجھا تم میں سے کوئی ہامی نہ بھرے گا۔ بہت اچھا۔ قرعہ اندازی سے کام لیا جائے گا۔
افسر : نہیں حضور والا۔ معاف کیجیے گا اُن میں سے کوئی قرعہ اندازی نہیں چاہتا۔ ایک بھی نہیں۔ میں سب کی طرف سے بول رہا ہوں۔
قاضی : تو میں تم کو حکم دیتا ہوں۔

افسر : حضور! اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ آپ کے فرزند کو سولی پر چڑھانے سے پہلے میں خود سولی پر چڑھ جاؤں۔

قاضی : تمھیں اس بات کا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مجرم میرا فرزند ہے۔ یہ سمجھنا ہے کہ ایک شخص نے خون کیا ہے اور اس کی سزا میں اُسے سولی ملنی لازمی ہے۔

افسر : حضور! جس شخص نے اُسے مجرم قرار دیا اور اس کے قتل کا فتویٰ لکھا یہ کام وہ خود کرسکتا ہے تو کرلے، ہم زبیر کو قصور وار نہیں سمجھتے۔

(قاضی کرسی ہٹا کر اُٹھتا ہے اور آہستہ آہستہ دریچے کے قریب جاتا ہے اور اُس کے پٹ کھول دیتا ہے۔ پٹ کھلنے پر ہجوم کی آوازوں کی بھنبھناہٹ سُنائی دیتی ہے جو قاضی کا چہرہ دیکھتے ہی بند ہوجاتی ہے)۔

قاضی : (بلند آواز سے) لوگو! ایک مجرم منتظر ہے کہ اُسے سولی دی جائے اور سولی دینے والا کوئی نہیں۔ تم میں سے کوئی ہے جو یہ خدمت سر انجام دے سکے؟

(خاموشی۔ پھر استہزا کی ایسی زیرِلب آوازیں جن سے ظاہر ہے کہ ہجوم کے لوگ قانون کی شکست سے مسرور ہیں)۔

عبداللہ : کوئی نہیں، ایک بھی نہیں! ایک بھی نہیں!

قاضی : (کھڑکی بند کردیتا ہے اور ذرا دیر چُپ رہتا ہے۔ پھر بے اختیاری کی کیفیت میں اُس کی آہ نکل جاتی ہے)۔ ناظر جاؤ۔ قیدی کو باہر لے جاؤ، کنجیاں یہ ہیں۔ (کنجیاں نکال کر میز پر پھینک دیتا ہے)۔

افسر : (کنجیاں اُٹھا کر) باہر کہاں حضور ؟

قاضی : سولی کے چبوترے پر ، اور کہاں ؟ جلد ، وقت ضائع نہ کرو ۔ (سپاہی جاتے ہیں)

(آہستہ سے) عبداللہ دعا کرو ۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت کرے اور اس کی روح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ بخشے ۔

عبداللہ : (ہیبت زدہ ہو کر منہ ہی منہ میں) رَبُّ العالمین! رَبِّ العظیم! اُسے سولی دینے کو کوئی مل گیا! اُسے سولی دینے کو کوئی مل گیا (عبداللہ باہر جاتا ہے ۔ افسر سلاخوں والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے ۔ باقی ساتھی باہر ٹھہرے رہتے ہیں ۔ گلی اندھیری ہے ۔ سلاخوں والے دروازے کے اندر اور زیادہ اندھیرا ہے ۔ اس اندھیرے میں صرف اتنا معلوم ہونے پاتا ہے کہ قیدی باہر آیا ۔ افسر اس کے پیچھے گلی میں آتا ہے ۔ قاضی اس طرف پیٹھ کیے ساکت کھڑا ہے ۔ قیدی سر پھیر کر اُسے دیکھتا ہے ۔ ناظر عدالت کے آدمی اس کے آگے اور پیچھے کھڑے ہو جاتے اور گلی کے راستے باہر لے جاتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ ان کے قدموں کی آواز غائب ہو جاتی ہے ۔

قاضی اب تک بُت بنا کھڑا ہے ۔ کوسِ رحلت بجنا شروع ہوتا ہے ۔ اس کی آواز سُن کر قاضی میں حرکت پیدا ہوتی ہے ۔ وہ مڑتا ہے اور آہستہ آہستہ باہر چلا جاتا ہے ۔

باہر قیدی کو دیکھ کر ہجوم سے تأسّف کی آوازیں آتی ہیں ۔ پھر قاضی کے نمودار ہونے پر خوف و دہشت کی چیخیں سی سُنائی دیتی ہیں ۔ پھر سناٹا چھا جاتا ہے ۔ کوسِ رحلت

بجتا رہتا ہے۔

(ادھر ایوان میں حلاوہ گھبرائی ہوئی آتی ہے اور دریچے سے باہر جھانکتی ہے)۔

حلاوہ : لے گئے ! لے گئے !

(کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگتی ہے ۔ باہر کے ہجوم کا شور و غل سُنائی دیتا ہے)۔

وہ آیا ! وہ اُسے لے آئے ! میرا بچّہ ! میری آنکھ کا تارا! ارے دیکھو تو کیسے تن کر چل رہا ہے۔ اس کا باہر نکلا ہوا سینہ دیکھو۔ سانس کس بے خوفی سے آجا رہا ہے۔ شاباش میرے لاڈلے شاباش ! سر اُٹھائے رکھ، تجھ پر ہم سب کو ناز ہے۔ تجھ پر، میرے دلارے تجھ پر، جسے مرجانا ہے۔ دیکھ لو، اسے دیکھ لو جس کے بدن میں گرم خون لہریں مارتا تھا۔ پر جس کے دل میں قاتل کے لہو کی ایک بوند بھی نہیں۔ ہائے! پر قاتل موجود ہے ۔ آستینیں چڑھائے کھڑا ہے۔ الٰہی آج کا آفتاب یہ کیا دیکھ رہا ہے ! آج کی روشنی میں یہ کیا ہو رہا ہے! رَبّ العالمین بیٹے کو باپ کے ہاتھ سولی دینے کو ہیں۔ تیری دنیا میں کبھی یوں بھی ہوا تھا؟ — ارے دیکھو تو، ارے دیکھو تو میرا بچّہ ہاتھ چوم رہا ہے۔ میرا بچّہ ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا رہا ہے، اُس شخص کے جو اُسے سولی پر چڑھانے کو ہے۔ جلدی ارے جلدی میرے رب ! اس کی روح کو جھٹ اپنے دامنِ رحمت میں لے لینا، اُسے تڑپانا مت ۔ اُسے جلدی لے لے۔ اسے جلدی لے لے — ہاہا — میرے بچّے اپنا دم دے دے۔ اُس کے لیے اور نہ تڑپ۔ مرجا میری جان۔ مرجا، مرجا !

(کوسِ رحلت تھم جاتا ہے۔ ہجوم میں سے گریہ و بُکا کا ایک دلدوز شور اُٹھتا اور بتدریج گھٹ جاتا ہے)۔

(حلاوہ گھٹنوں کے بل گر پڑی ہے۔ چہرہ اونچا اور آنکھیں بند کیے منہ ہی منہ میں دعائیں مانگ رہی ہے۔ عبداللہ آتا اور اسے دیکھتا اور یوں بولتا ہے، گویا اس سے غرض نہیں کہ وہ سُنے گی بھی یا نہیں)۔

عبداللہ : اب بھی دعا مانگ سکتی ہے۔ ربُّ العالمین اگر میں دُعا مانگ سکتا اور میری دُعا قبول ہوسکتی تو ایک موت اور ہوتی۔

(اس کے آخری الفاظ حلاوہ سُن پاتی ہے۔ دعا بند کر کے آنکھیں کھولتی اور اس کی طرف مڑتی ہے۔ اُسی وقت گلی میں قاضی کے بھاری آہستہ قدموں کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ حلاوہ کھڑی ہوجاتی ہے اور بے حس و حرکت مگر متوقع انداز میں کھڑی رہتی ہے۔ عبداللہ کو بھی قدموں کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ مُڑ کر دیکھتا ہے اور ایک طرف ہٹ جاتا ہے)۔

عبداللہ : وہ آ رہا ہے۔ عورت! دیکھ قاتل آ رہا ہے اور اس کی روح پر کالی رات چھائی ہوئی ہے۔

(قاضی داخل ہوتا ہے۔ لڑکھڑا رہا ہے مگر انتہائی قوت ارادی سے کام لے کر سنبھلنا چاہتا ہے۔ گلی میں سلاخوں والے دروازے کو دیکھ کر رُک جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھتا اور پھر ضُعف کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ ایوان میں آتا ہے۔ مڑتا ہے اور سیڑھیاں چڑھنے لگتا ہے۔ اُوپر کے دروازے تک پہنچتا ہے۔ اندر

داخل ہوتا ہے۔ اندر سے زنجیر کھلنے اور تالے میں کنجی گھومنے کی آواز آتی ہے۔ ذرا سی دیر میں اُوپر کی منزل کی کھڑکی میں سے اس کا ہاتھ نکلتا ہے اور کھڑکی کو بند کر کے اندر سے مقفّل کر لیتا ہے)۔

حلاوہ : اس نے دروازہ بند کر لیا! اس نے اپنے آپ کو بند کر لیا! یہ دروازہ اب کبھی نہ کُھلے گا۔ ہم اب اُسے پھر کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ کبھی زندہ نہ دیکھ سکیں گے!

مشق

۱۔ زبیر کون تھا اور اس نے کیا جرم کیا تھا؟

۲۔ حلاوہ کون تھی اور وہ اس قدر پریشان کیوں تھی؟

۳۔ عبداللہ کو یہ یقین کیوں تھا کہ زبیر کو پھانسی نہیں دی جا سکتی؟

۴۔ قرطبہ کے قاضی یحییٰ منصور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۵۔ یہ ڈراما دینِ اسلام کی کس شان کو ظاہر کرتا ہے؟

۶۔ اس ڈرامے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ "قرطبہ کے قاضی" کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

۸۔ ذیل کے فقروں کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:۔

(ا) میری بوڑھی زبان سے اللہ تعالیٰ کا عفو و رحم کئی بار بولا لیکن اس نے سننے والے کے کانوں کو بہرا پایا۔

(ب) الٰہی آج کا آفتاب یہ کیا دیکھ رہا ہے! آج کی روشنی میں یہ کیا ہو رہا ہے!

۹۔ "اسلام کی برکتیں" اس عنوان سے ایک مضمون لکھیے۔

ابن انشاء
۱۹۲۷ء — ۱۹۷۸ء

چین میں ایک دن اُردو کے طالب علموں کے ساتھ

جب ہم چین گئے ہیں تو چینی زبان سے بالکل کورے تھے لیکن ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ سترہ اٹھارہ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ دو لفظ نہایت روانی سے بولنے لگے۔ ایک نی ہاؤ (یعنی مزاج شریف) دوسرا چائی چن (یعنی اچھا پھر ملیں گے) سو مہمان کو یہی دو لفظ آنے چاہییں باقی گفتگو کے لیے ترجمان موجود ہے۔ ہاں یاد آیا۔ ایک اور لفظ بھی ہم برجستہ اور باموقع بول کر چینیوں کو حیران کرتے تھے۔ وہ ہے شے شے (یعنی شکریہ) بعضوں نے پوچھا بھی کہ آپ نے اتنی جلدی اتنی چینی زبان کیسے سیکھ لی۔

کمال ہے، ہمارے قارئین انصاف سے کہیں ان میں سے کتنوں کو معلوم تھا، آری گا تو گزائی مش کا۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم چند ماہ اور وہاں رہتے تو انھی کی زبان میں صاحب سلامت کرنے لگتے۔

ہاں تو چین میں ایسا بھی ہوا کہ ترجمان پاس نہ تھا پھر بھی ہم کو چینیوں سے مکالمت میں کبھی دقّت نہ ہوئی۔ ہم نی ہاؤ کہتے تھے اُدھر سے چینی زبان میں کچھ ارشاد ہوتا تھا۔ ہم شے شے، شے شے کرتے جاتے حتیٰ کہ اس کی بات ختم ہو جاتی اور ہم چائی چن، چائی چن کر کے رخصت ہو جاتے۔

اُردو کے مشہور ادیب خاطر غزنوی بھی وہاں ہیں اور زیادہ

دنوں سے ہیں۔ ان کا کام ہی تحصیلِ زبان ہے تاکہ واپس آکر یہاں چینی زبان سکھا سکیں۔ ہم نے دیکھا کہ وہ ٹیکسی والے کو سمجھا لیتے ہیں کہ کدھر چلنا ہے۔ بولے دو ڈھائی سو لفظ سیکھ گیا ہوں۔ پانچ ہزار لفظ سیکھ کر اخبار پڑھا جاسکتا ہے۔ ہم نے کہا کتنے دن لگیں گے۔ بولے بشرطِ حیات چند برس اور۔ ہم نے کہا، خیر یہ رہا اخبار کچھ تو پڑھو۔ کافی دیر کوشش کے بعد انھوں نے کئی لفظوں پر انگلی رکھی کہ یہ آتے ہیں فی الحال، خیر قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔

پھر ایک روز ہم نے سوچا کہ دیکھیں چینی لوگ اُردو سیکھتے ہیں تو کیسی سیکھتے ہیں۔ اگر چینیوں کو اپنی زبان کے مشکل اور پیچیدہ ہونے پر ناز ہے تو ہم کو بھی ہے۔ خیر ایک روز بندوبست ہوا اور ہم لوگ پیکنگ (بیجنگ) یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں جا نکلے۔

پہلے تو ایک بیٹھک میں وائس چانسلر صاحب نے ہمیں شرَفِ ملاقات بخشا۔ پھر تعارف کراتے کراتے کہا۔ یہ ہیں مادام شان یون، یہاں اردو پڑھاتی ہیں۔ ہم نے کہا آئیے بیگم صاحبہ ہمارے پاس آجائیے، وہ مُسکراتی ہوئی اُٹھ کر آگئیں اور بولیں "آپ ابنِ انشا صاحب ہیں نا۔ آپ کی نظمیں ہم نے پڑھی ہیں۔ افکار ہمارے پاس آتا ہے اور آپ کی کتاب ہماری لائبریری میں ہے۔"

چائے وائے پینے کے بعد ہم نے وہ کتابیں نذر کیں جو ہم یہاں سے لے گئے تھے۔ اور مادام شان یون نے کہا: آئیے اب آپ کو طالب علموں سے ملائیں۔

پیکنگ (بیجنگ) یونی ورسٹی ایک وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ راستے میں مختلف شعبوں کی عمارتیں تھیں۔ ہر جگہ طالبِ علموں کے ٹھٹ تھے جو ہمیں دیکھ کر دو رویہ کھڑے ہو جاتے اور تالیوں،

سے استقبال کرتے ۔ رسم یہ ہے کہ مہمان بھی جواباً تالی بجاتا ہے۔ چین کے قیام کے دنوں میں ہم کو ہر روز اتنی تالیاں بجانی پڑتی تھیں کہ رات کو آکر ہاتھ آگ پر سینکتے تھے اور وِکس کی مالش کرتے تھے۔

شعبۂ اُردو کے طالب علم ہمارے خیر مقدم کے لیے پہلے سے کھڑے تھے ۔ ان میں آدھے لڑکے تھے ، آدھی لڑکیاں ۔ بڑے تپاک سے علیک سلیک ہوئی ۔ بعضے فرفر بولتے تھے ۔ بعضے اٹک اٹک کر۔ ہم نے کہا چلیے کلاس دیکھیں ۔ لیکن طالب علم مُصِر تھے کہ پہلے ہم ان کی قیام گاہیں دیکھیں ۔ وہاں دکھانے کی کوئی ایسی بات نہ تھی ۔ بہت چھوٹے چھوٹے کمرے تھے اور ہر ایک میں ایک دو منزلہ چارپائی ۔ ایک کونے میں ایک میز اور کتابوں کے لیے ایک الماری ۔ ایک طالب علم نیچے کی چارپائی پر سوتا تھا ۔ دوسرا اوپر ٹنگتا تھا ۔ ویسے نرم گدے اور اُجلی چادریں تھیں ۔ ہم لوگ قریب قریب سب کے سب دو کمروں میں تقسیم ہو گئے وہاں اتنی کرسیاں کہاں تھیں ۔ بس چارپائیوں پر اور میز پر چڑھ بیٹھے ۔ باقی باتیں تو فروعات تھیں ۔ اُردو کی محبت اور شوق اصل چیز تھی ۔

اکثر لڑکے لڑکیاں فرفر بولتے تھے اور سب سے تعجب کی بات یہ تھی کہ کسی سے تذکیر و تانیث کی کوئی غلطی نہ سُنی ۔ جیسی اندرون پاکستان ہم مختلف علاقوں کے لوگوں سے ضرور ہوتی ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ خط پختہ تھے ، بعضوں کے مُنشیانہ اور املا میں کوئی غلطی ہجے کی نہ تھی ۔ ہم نے کہا پڑھتے کیا ہیں آپ لوگ ۔ معلوم ہوا اچھی خاصی لائبریری اردو کتابوں کی ہے اور پھر اخبار "جنگ" آتا ہے ۔ اس میں سے مضامین ، اداریے یا خبریں لے کر سائیکلو اسٹائل کرالی جاتی ہیں اور طالب علموں میں بانٹ دی جاتی ہیں ۔ ہم نے

دیکھا تو پہلا ہی سبق صدر ایوب کے دورۂ چین پر تھا۔

لائبریری میں گئے تو واقعی اس میں ادب کی بہت سی اچھی کتابیں موجود تھیں اور طالب علم ہمارے بعض ہم عصروں کا ذکر ان کی کہانیوں کے حوالے سے کرتے تھے۔ مادام نے کہا کہ میں آپ کی نظم شنگھائی کا ترجمہ چینی میں کر رہی ہوں۔

ہمارے وفد کے رکن جو اُردو کے آدمی تھے۔ ان کی سرشاری کا بیان کرنا مشکل ہے اتنی دُور ایک مختلف تہذیب کے ملک میں اُردو کے پودے کو پُھولتے پھلتے دیکھنا واقعی ایک جذباتی تجربہ تھا۔ ہم نے مادام سے کہا کہ ان طالب علموں کو ہم چائے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان سب کو لائیے وہاں اور باتیں ہوں گی۔ ہم ان کو اور کتابیں دیں گے۔ اور واپس پاکستان جاکر کتابوں کی لین ڈوری باندھ دیں گے۔ یاد رہے کہ ایسے وعدے وفا نہیں ہوا کرتے۔

طالب علم تو پھر آئے اور ہمارے ساتھ چائے پی۔ ان کو کتابیں بھی ہم نے دیں۔ لیکن مادام کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکیں۔ تیس برس کی ہوں گی، بہت پسندیدہ اطوار کی اور سنجیدہ، ہم نے کہا کہ ہماری ڈائری میں اپنے دستخط دے دیجیے۔ انھوں نے یہ مہربانی کی کہ دستخطوں کے علاوہ ایک عبارت لکھ دی۔ ان کا خط کم از کم ہمارے خط سے تو بہتر ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ طالب علموں نے اتنی مہارت فقط دو سال بلکہ کم میں حاصل کی تھی اور بیگم صاحبہ نے بھی اُردو ایک چینی سے پڑھی ہے۔

مشق

۱۔ پیکنگ (بیجنگ) یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی انچارج کون تھیں اور ان کے بارے میں انشاء صاحب کیا فرماتے ہیں ؟

۲۔ پیکنگ (بیجنگ) یونی ورسٹی کے طلبہ اور طالبات نے انشاء صاحب کا استقبال کس طرح کیا ؟

۳۔ چینی طلبہ اور طالبات کی اردو دانی کے متعلق انشاء صاحب نے کیا لکھا ہے ؟

۴۔ پیکنگ (بیجنگ) یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں ؟

۵۔ چین میں اُردو زبان کی مقبولیت کا اندازہ کن باتوں سے لگایا جاسکتا ہے ؟

۶۔ مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :۔
کورے ہونا۔ قارئین۔ صاحب سلامت۔ تحصیل۔ پیچیدہ۔ مُصِر ہونا۔ سرشاری۔

۷۔ ذیل کے الفاظ کی جمع یا واحد لکھیے :۔
خط۔ قارئین۔ طالب علم۔ فردعات۔ غلطی۔ اطوار۔ دعوت۔ عبارت۔ بیگم۔

۸۔ "جانا" اور "پڑھنا" سے ماضی، حال، مستقبل، مضارع، امر اور نہی کے صیغے بنائیے۔

۹۔ فعل معروف اور فعلِ مجہول کے باہمی فرق کو واضح کیجیے اور مثالیں دیجیے۔

۱۰۔ ذیل کے الفاظ سے صفتِ نسبتی بنائیے (مثلاً ادب سے ادبی)
چین۔ علم۔ اخبار۔ کتاب۔ پاکستان۔ تجربہ۔ ملک۔

مولوی عبدالحق
۱۸۶۹ء — ۱۹۶۱ء

سرسیّد احمد خان

زندہ دلی سرسیّد کی فطرت میں تھی۔ اگرچہ عمر کے ساتھ ساتھ کام کی کثرت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور نئے نئے حالات اور واقعات اُن پر ہجوم کر کے ٹوٹ پڑے تھے۔ لیکن ان کی زندہ دلی میں فرق نہ آیا۔ وہ اپنے بعض ہم عمر بے تکلف دوستوں سے بڑی دل لگی اور شوخی کی باتیں کرتے تھے، بلکہ چھوٹوں سے بھی نہیں چُوکتے تھے۔ یہ زندہ دلی اُن کے کٹھن کام میں سہارے کا کام دیتی.

سرسید کی زندگی سے ہمیں بہت سے بے بہا سبق مل سکتے ہیں. ان کا اپنے نصب العین پر آخر دم تک جمے رہنا، اس کے لیے ہر جائز ذریعے کو کام میں لانا، مخالف قوتوں کا دلیری سے مقابلہ کرنا، محنت و مُشَقّت سے کبھی جی نہ چُرانا، دن رات، کام میں لگے رہنا، تساہُل اور کاہلی کو پاس نہ پھٹکنے دینا خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اُنھوں نے اپنے خیالات کو کبھی نہیں چُھپایا، جو دل میں تھا وہی ان کی زبان اور قلم پر تھا، کبھی اس کی پروا نہیں کی کہ اُس سے اُن کی ذات یا اُن کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی زندگی میں اکثر ایسے موقعے آئے جب اُن کے خیر اندیش اور مخلص دوستوں نے ان کو کسی فعل سے باز رہنے کی صلاح دی اور دنیاوی اعتبار سے معاملے کی اونچ نیچ سمجھائی۔ لیکن اُنھوں نے وہی کیا جو اُن کے ضمیر نے کہا اور ہمیشہ کمالِ اخلاق اور جرأت سے کام لیا.

بے ریائی اور صداقت عمر بھر ان کا شعار رہا۔
سرسید بڑے فیاض اور سیر چشم تھے۔ غریبوں اور مستحقوں اور مفلوک الحال شُرفا کی ہمیشہ مدد کی۔ اکثر اس طرح دیتے تھے جس پر یہ قول صادق آتا ہے کہ "داہنے ہاتھ سے یوں دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو"، نیکی اور ثواب کے کاموں میں، مسجدوں کی تعمیر میں بھی اُنھوں نے بڑی فراخدلی سے روپیہ صرف کیا۔ غدر کے بعد خانماں برباد پریشان حال مُسلمانوں کی طرح طرح سے دستگیری کی۔ خصوصاً ان بے گناہ مُسلمانوں کے لیے جن پر بغاوت کے الزام لگاکر سخت سزائیں تجویز کی گئی تھیں، بہت جدوجہد کی، تحقیقاتیں کرائیں، ثبوت بہم پہنچائے اور الزام سے بری کرایا۔ ان فیاضیوں کی بدولت آمدنی سے ان کا خرچ زیادہ رہا اور وہ تنگ دست رہے۔ لیکن جب کالج کی دُھن ان کے سر پر سوار ہوئی تو شخصی فیاضی اور بذل و سخا سے ایک دم ہاتھ اُٹھا لیا۔ اب جو کچھ تھا کالج کے لیے۔ اپنا تو خیر جو کچھ تھا وہ سب کالج کو پوج دیا، مگر مشکل یہ تھی کہ دوسروں کی جیبوں پر بھی ان کی بڑی کڑی نظر تھی۔ چندہ لینے کے لیے کیسے کیسے نئے ڈھنگ نکالے تھے۔ کسی موقع پر چُوکتے ہی نہ تھے۔ علی گڑھ کی نمائش میں کتابوں کی دُکان لگائی اور خود دُکان پر بیٹھ کر کتابیں بیچیں۔ کسی کے بیٹا، پوتا پیدا ہوا، یہ چراغی مانگنے کے لیے موجود۔ کہیں سیادت کے دعوے سے امام ضامن کا روپیہ مانگنے کے لیے جا پہنچے۔ کسی نے دعوت کی تو دعوت کے بدلے روپیہ وصول کرلیا۔ نیشنل والنٹیر بن کر گلے میں جھولی ڈالی اور انتہا یہ ہے کہ ڈراما کرکے اسٹیج پر آئے اور غزلیں گائیں۔ کبھی اس کا خیال نہ کیا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اس چندے سے دوست آشناؤں

کی جان عذاب میں تھی ۔ خدا ان کی مغفرت کرے ۔ وہ یہ بدعت اپنے پیچھے ایسی چھوڑ گئے ہیں کہ آج تک اس سے نجات نہیں ملی ۔ بلکہ حضرتِ چندہ کا زور روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اور اب تو عالمگیر ہوگیا ہے ، اگر سرسید کے چندہ لینے کے طریقوں اور ترکیبوں کی تفصیل لکھی جائے تو اچھی خاصی کتاب بن جائے ۔

تقلید کے مطلق قائل نہ تھے ، جدّت اور نئی روشنی کے حامی تھے ۔ لیکن ایک دوستی کے معاملے میں قدامت پرست تھے ۔ چندے کی زد ہمیشہ دوستوں ہی پر پڑتی تھی ۔ نئے نئے فنڈ قائم کرتے تھے اور سب سے پہلے فہرست میں دوستوں کے نام لکھتے اور خود ہی رقم تجویز کرکے ہر ایک کے نام کے سامنے لکھ دیتے ۔ جو طوعاً کرہاً دینی ہی پڑتی ۔ چندوں سے ان کا ناک میں دم تھا ۔ بعض بے تکلف دوست بہت جھنجھلاتے اور بگڑتے ۔ مگر سیّد صاحب کبھی بُرا نہ مانتے ۔ ان کی باتوں میں کچھ ایسا جادو تھا کہ لوگ فوراً پسیج جاتے اور جو مانگتے نذر کر دیتے ۔ لیکن دوست کا اختلاف گوارا نہیں کر سکتے تھے ۔ یہ دوستی پُرانے وقتوں کی دوستی تھی ۔ پُرانے بزرگ اسی پر عامل تھے ۔ دوست کچھ بھی کہے یا کچھ بھی کرے وہ اَدُّبَدا کے اس کا ساتھ دیتے اور مدد کرتے ، لڑنے مرنے ، جان دینے کو تیار ہو جاتے ۔ انھیں اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ فعل بُرا ہے یا بھلا ۔ ان کا مقولہ تھا "یار کی یاری سے کام اس کے فعلوں سے کیا کام ۔"

سر ولیم میور کی کتاب کے جواب لکھنے کی تیاری کی جس میں اسلام پر ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت پر سخت اعتراض کیے تھے ۔ ہندوستان میں کافی سامان میسّر نہ آیا تو لندن کا سفر کیا

اور وہاں کے کتب خانوں اور دوسرے ذرائع سے کتابیں مہیّا کیں۔ اس کی تیاری اور طباعت میں مصارف اس قدر بڑھ گئے کہ اپنا کتب خانہ اور سامان وغیرہ فروخت کرنا پڑا، قرض لیا اور دوستوں سے روپیہ جمع کیا اور شب و روز محنتِ شاقہ اُٹھاکر ایسا مُدلّل جواب لکھا کہ مخالف بھی مان گئے۔ نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے شکوک رفع کرنے کے لیے بے شمار مضامین لکھے اور قرآن کی تفسیر بھی اسی نیّت سے لکھنی شروع کی۔ مخالفین کی تحریروں کے جواب لکھے۔ تقلید کے خلاف زبردست مضامین تحریر کیے۔ اِبطالِ غلامی پر ایک رسالہ لکھا۔ سرسیّد احمد خان پہلے شخص تھے جنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اسلام میں غلامی نہیں اور اسے ثابت کرکے دکھایا۔ تحقیق اور اِجتہاد میں جو جمُود پیدا ہوگیا تھا اسے توڑا۔ بہت سے مسائل کی الجھنوں کو سلجھایا۔ غرض اسلام کی وہ بے نظیر خدمت کی جو کسی دوسرے سے نہ بن آئی۔

سرسیّد بڑے پکّے اور سچّے مُسلمان تھے اور جیسا کہ اُنھوں نے بارہا کہا ہے کہ میں اس لیے مُسلمان نہیں ہوں کہ مُسلمان گھرانے میں پیدا ہوا بلکہ اسلام پر میرا یقین، میری ذاتی تحقیق پر ہے۔

اس برِّعظیم کے مُسلمانوں میں بڑے بڑے مجاہد، ذی علم وفضل، پاک نفس بزرگ اور مُصلِح گزرے ہیں۔ لیکن ان کا دائرہ عمل ایک یا دو مُہمّات تک محدود تھا۔ لیکن سرسیّد کا میدانِ عمل قومی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا۔ ایسا جامع صفات اور جامع حیثیّات، بے لوث و بے نفس، پُرعزم واستقلال، سراپا خلوص و صداقت اور ہمہ تن ایثار مصلح۔ ہمیں اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد نصیب ہوا۔

اس نے ایک مایوس اور افسردہ قوم میں ایک نئی روح پھونک دی اور ایسا قومی جذبۂ قومی پیدا کیا جو اب تک کام کر رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ قومیت کا خیال بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اگر اس کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قصر پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پیرِ مرد نے رکھی تھی، اس کا دل قوم کی دردمندی سے لبریز تھا۔ عمر بھر اسی دُھن میں لگا رہا اور آخر دم تک مردانہ وار بلکہ دیوانہ وار کام کرتے کرتے دنیا سے چل بسا۔

مشق

۱۔ سرسید احمد خان کی زندہ دلی کا کوئی واقعہ بیان کیجیے۔

۲۔ سرسید احمد خان کے کردار کی چند خوبیاں تحریر کیجیے۔

۳۔ کم نظر لوگ سرسید احمد خان پر اکثر تنقید کیوں کرتے رہتے تھے؟

۴۔ سرسید احمد خان نے اسلام کی کیا بے نظیر خدمت کی؟

۵۔ سرسید احمد خان کی زندگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۶۔ ذیل کے الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:۔

ٹوٹ پڑنا۔ بے بہا۔ نصب العین۔ تساہل۔ مفلوک الحال۔

۷۔ ذیل کے جملوں کا مفہوم بتائیے:۔

(ا) کہیں سیادت کے دعوے سے امام ضامن کا روپیہ مانگنے کے لیے جا پہنچے۔

(ب) تحقیق اور اجتہاد میں جو جمود پیدا ہوگیا تھا اسے توڑا۔

(ج) قصرِ پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی پیرِ مرد نے رکھی تھی۔

۸۔ ذیل کے الفاظ سے بنا ہوا ایک ایک محاورہ لکھیے:۔

سر۔ دماغ۔ پیشانی۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ منہ۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ دل۔

۹۔ ذیل کے الفاظ سے اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول بنائیے:۔

ظلم۔ قتل۔ قصد۔ حمد۔ شُکر۔ نظر۔ جبر۔ علم۔

ادیبوں کے خطوط

خطوط غالبؔ

(۱)

میر مہدی مجروحؔ کے نام

میر مہدی تم میری عادات کو بھول گئے، ماہِ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے، میں اس مہینے رام پور کیوں رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آپہنچا۔ یکشنبہ کو غرّہ ماہِ مقدس ہوا، اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد جامع جاکر تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتا ہے تو وقتِ صوم، مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔ اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں اُنھوں نے میرا ناک میں دم کردیا۔ تنہا بھیج دینے میں وہم آیا کہ خدا جانے اگر کوئی امرِ حادث ہو تو بدنامی تمام عمر رہے۔ اس سبب سے جلد چلا آیا ورنہ گرمی برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرطِ حیات جریدہ بعد برسات جاؤں گا اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤں گا۔ قرارداد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے جس کو یہ دسواں مہینا ہے، سو روپیہ مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب جو میں وہاں گیا تو سو روپے مہینا بنام دعوت دیا۔ یعنی رام پور رہوں تو دو سو روپے مہینا پاؤں اور دلّی رہوں تو سو روپے۔

بھائی سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں، مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی۔ بس بہرحال غنیمت ہے۔ رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیے، کمی کا شکوہ کیا۔ کوٹھری میں بیٹھا ہوں، ٹٹی لگی ہوئی ہے، ہوا آرہی ہے، پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے، حقہ پی رہا ہوں، یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا یہ باتیں کرلیں۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیرالدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینا اور میری دُعا کہہ دینا۔

غالبؔ

جمعہ ۱۶؍اپریل

(۲)

مرزا امیرالدین احمد خاں کے نام

اے مردم چشمِ جہاں بینِ غالب! پہلے القاب کے معنی سمجھ لو، یعنی چشم جہاں بینِ غالب کی پُتلی۔ چشمِ جہاں بینِ تمھارا باپ مرزا علاءالدین خان بہادر اور پتلی تم۔ آج میں نے تمھارا خط دیکھا۔ مجھ کو بہت پسند آیا۔ استادِ کامل نہ ہونے کے باوصف تم نے یہ کمال حاصل کیا۔ آفرین صد آفرین۔ میں اپنے اور تمھارے پروردگار سے کہ وہ ربّ العالمین

ہے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تم کو زیادہ نہیں تو تمھارے باپ کے برابر علم وفضل اور تمھارے پرداداحضرت فخرالدولہ نواب احمد بخش خان بہادر جنت آرام گاہ کے برابر جاہ و جلال عنایت کرے ۔ میاں تمھارے دادا نواب امین الدین خان بہادر ہیں ، میں تو تمھارا دلدادہ ہوں ۔خبردار ہر جمعہ کو اپنی صورت مجھے دکھا جایا کرو ۔

دیدار کا طالب
غالب

(۳)

تفضّل حُسین خاں کے نام

کیوں صاحب !

یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا ! اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے ۔ میرا کلام ، خرید آٹھ دس روپیہ کی ، سو وہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو ۔ تم کو مبارک رہے ، مجھ کو مستعار دو ۔ میں اس کو دیکھ لوں ، جو میرے پاس نہیں ہے ، اس کی نقل کرلوں پھر تم کو واپس بھیج دوں ۔ اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو ، میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بہ دل مطلوب ہے ۔وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دے دو ۔ باللہ واللہ اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کرکے تم کو بھیج دوں گا ۔ اگر تم کو واپس نہ دوں

تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب، حامل رقعہ کو نہ دو تو تم کو آفرین۔

غالبؔ

(۴)

خلیق منزل۔ محلہ چوڑی والاں
دہلی
۷؍ نومبر ۱۹۴۸ء

عزیز مَن سَلَّمہٗ،

تمھارا خط پہنچا۔ دیمک بھی کس قدر بدذوق اور بدتمیز ہے کہ جو کاغذ کھانے کے تھے وہ تو چھوڑ دیے اور بے کار کاغذ کو چٹ کر گئی۔ مجھے بڑی خوشی ہوتی اگر میرے خط کھا جاتی۔ یہ بھی فیشن میں داخل ہوگیا ہے کہ ہر کس و ناکس کے خط جمع کر کے شایع کر دیے جاتے ہیں اور غریب لکھنے والے کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ نجی خط سب کے سب شایع کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ کاتب بے تکلّفی یا بے خیالی میں کچھ کا کچھ لکھ جاتا ہے۔ وہ صرف مکتوب الیہ کے لیے ہوتا ہے۔ منظرِ عام پر لانے کے لیے نہیں ہوتا لیکن اُسے کوئی نہیں دیکھتا۔ مشیخت کے مارے سب ہی خط چھاپ دیے جاتے ہیں۔ خیر آپ کو خط جمع کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو کیجیے، لیکن للہ چھاپیے گا نہیں۔ دیمک کی آئندہ سال کی غذا کے لیے رکھ لیجیے۔

تم نے یہ نہیں لکھا کہ اپنا ترجمہ کس تعداد میں چھپواؤ گے۔ کراچی میں اس کے متعلق جو گفتگو ہوئی تھی اس میں یہ طے ہوا تھا کہ پانسو سے زیادہ نہ چھپوایا جائے کیوں کہ انجمن کی مالی حالت ایسی نہیں کہ زیادہ رقم صرف کر سکے۔ ابھی کتابوں کے مُتعَدِّد مُسَوَّدے پڑے ہیں جن کا چھپوانا زیادہ ضروری ہے۔

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے۔ "سائنس کے آدمی"۔ یعقوب صاحب کیا سائنس کے آدمی بھی ہوتے ہیں؟ دنیا کی یہ ساری مصیبتیں اور تباہیاں انھیں حضرات کی بدولت تو ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو، میرا بہت بہت سلام اور بہت سی دُعائیں پہنچا دینا۔ جہاں تک میں نے انھیں دیکھا، وہ سائنس کے آدمی نہیں۔ انھوں نے خواہ مخواہ سائنس لے رکھی ہے۔

خیر طلب
عبد الحق

(۵)

میں تم کو بنگلور سے چلتے چلتے خط لکھ رہا ہوں۔ اس لیے کہ تم نے انٹرنس کلاس میں ترقی کی، مجھ کو نہایت خوشی ہوئی ہے۔ بشیر! نوکری اور رزق تو مقدر ہے مگر لیاقت عجب چیز ہے۔ ساری عمر آدمی کو مسرت دینے والی چیز۔ عُسر اور یُسر دونوں میں لیاقت ہے۔ میرا اِستِعداد لائقوں میں نہیں اور مجھ کو زمانے نے لیاقت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دی اور جو وقت کسبِ کمال کا تھا وہ اِسی بے سروسامانی اور مصیبت میں گزرا کہ اتنا لکھ پڑھ لینا بھی تعجب معلوم ہوتا ہے، مگر اس اِضطراری میں جو دو چار حرف پڑھ لیے تھے، میں نہیں کہتا کہ نوکری ان کی وجہ سے ہے۔ کیوں کہ مجھ سے زیادہ لائق جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور نان شبینہ کو محتاج ہیں اور نہ میں ان کا معتقد ہوں کہ غدر میں مسز لیین کی حفاظت بہ وسائط میری نوکری کا سبب ہوئی، اس لیے کہ خود لیین کی حقیقت معلوم ہے۔ مگر اتنا ضرور میں کہوں گا کہ اب تک جہاں گیا اور جس جگہ رہا، کسی سے میری آنکھ نیچی نہیں ہوئی اور مجھ کو اس بات کے جاننے سے ضرور خوشی ہوئی کہ لوگ مجھ کو

نالائق نہیں جانتے۔

اگر تمھاری طرح مجھ کو ایک امیر باپ ملا ہوتا اور تمھاری طرح آسودگی اور عافیت مجھ کو حاصل رہی ہوتی، جب کہ میری عمر حاصل کرنے کی تھی تو بشیر! یقین جانو کہ آج میں یکتائے روزگار ہوتا کیوں کہ شکر ہے میرے سر میں اچھا بھیجا رکھا گیا ہے۔ لیکن مردِ خدا جو مجھ سے نہیں ہوسکا تم کرو ؎

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کُند

رہی نوکری، تھوڑی بہت جو تقدیر میں ہے، سو تو کرو ہی گے۔ مگر اِقتضائے ہمت یہ ہے کہ آدمی اَقران و اَمثال میں ممتاز ہو۔ جدھر نکل جائے انگلیاں اُٹھیں کہ وہ چلے، جس مجمع میں بیٹھے صدر انجمن ہو۔ بی اور اے دو حرف عجیب مقبول حرف ہیں کہ جس کو مل جاتے ہیں ساری عمر سرمایۂ فخر ہوتے ہیں۔ خیر وہ مرحلہ تو آگے ہے مگر انٹرنس کا پاس کرلینا تو کچھ بڑی بات نہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ کوڑھ مغز انٹرنس پاس کرلیتے ہیں۔ ابھی سے غور کرو کہ کس چیز میں خامی ہے اور ابھی سے اسی چیز پر زیادہ توجہ کرو۔ عجب کیا ہے کہ وہ خامی پختگی سے مُبدّل نہ ہو جائے، محنت شرط ہے۔ مسلسل اور مُتّصِل محنت میں عجب برکت ہے۔ ابھی سے وہ تیاری کرو جو غافل اور کاہل لڑکے امتحان کے قریب کرتے ہیں۔ میں شکر کرتا ہوں کہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن نام و نمود حاصل کرکے مجھ کو چند روز کے لیے خوش ہو لینے دو اور نام و نمود کے جو فائدے مُتَرتّب ہوں گے، وہ تمھارے ذاتی ہیں۔ اُن کا میں مُتمنّی نہیں۔

نذیر احمد

۲۴؍مئی ۱۸۷۸ء بنگلور

مشق

۱۔ مرزا غالبؔ نے میر مہدی مجروحؔ کو جو خط لکھا ہے اُس کا خلاصہ لکھیے۔

۲۔ مرزا غالبؔ نے اپنے خط میں تفضّل حسین خاں سے کس بات کی شکایت کی ہے ؟

۳۔ مولوی عبدالحق اپنے خط میں مکتوب الیہ کو کس چیز سے روکنا چاہتے ہیں اور کیوں ؟

۴۔ مولوی نذیر احمد نے اپنے خط اپنے بیٹے بشیر کو کیا نصیحت کی ہے ؟

۵۔ ذیل کے الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

ناک میں دم کرنا ۔ استادِ کامل ۔ غضب ڈھانا ۔ مستعار دینا ۔ ہر کس و ناکس ۔ نانِ شبینہ کو محتاج ہونا ۔ سرمایۂ فخر ہونا ۔ نام و نمود۔

۶۔ ذیل کے جملوں کا مفہوم لکھیے :

(ا) تمھارے دادا نواب امین الدین خاں بہادر ہیں، میں تمھارا دلدادہ ہوں۔

(ب) معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے وہ صورت ملاقات کی ہے۔

(ج) لیاقت عجب چیز ہے۔ ساری عمر آدمی کو مسرت دینے والی چیز۔ عُسر اور یُسر دونوں میں لیاقت ہے ؟

۷۔ مرزا غالبؔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔ اس کی وضاحت کیجیے ۔

۸۔ مندرجہ ذیل اسماء سے صفتِ نسبتی بنائیے :

ریشم ۔ شاگرد ۔ کاغذ ۔ آہن ۔ صحرا ۔ دنیا ۔ دہلی ۔ لکھنؤ ۔

۹۔ پانچ جملے ایسے لکھیے جن میں افعالِ معروف کا استعمال کیا گیا ہو اور پانچ جملے ایسے لکھیے جن میں افعال مجہول کا استعمال کیا گیا ہو ۔

پطرس بخاری
۱۸۹۸ء — ۱۹۵۸ء

ہاسٹل میں پڑنا

میں پہلے سال بی۔ اے میں کیوں فیل ہوا۔ اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ بات یہ ہوئی کہ جب ہم نے ایف۔ اے کا امتحان دیا تو چوں کہ ہم نے کام خوب دِل لگا کر کیا تھا اس لیے ہم اس میں "کچھ" پاس ہی ہو گئے۔ بہرحال فیل نہ ہوئے۔ یونیورسٹی نے یوں تو ہمارا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا لیکن ریاضی کے متعلق یہ ارشاد ہوا کہ صرف اس مضمون کا امتحان ایک آدھ دفعہ پھر دے ڈالو۔ (ایسے امتحان کو اصطلاحاً کمپارٹمنٹ کا امتحان کہا جاتا ہے۔)

اب جب ہم بی۔ اے میں داخل ہونے لگے، تو ہم نے یہ سوچا کہ بی۔ اے میں ریاضی لیں گے۔ اس طرح سے کمپارٹمنٹ کے امتحان کے لیے فالتو کام نہ کرنا پڑے گا۔ لیکن ہمیں سب لوگوں نے یہی مشورہ دیا کہ تم ریاضی مت لو۔ جب ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو کسی نے ہمیں کوئی معقول جواب نہ دیا۔ لیکن جب پرنسپل صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا تو ہم رضامند ہو گئے۔ چنانچہ بی۔ اے میں ہمارے مضامین انگریزی، تاریخ اور فارسی قرار پائے۔ ساتھ ساتھ ہم ریاضی کے امتحان کی بھی تیاری کرتے رہے۔ گویا ہم تین کی بجائے چار مضمون پڑھ رہے تھے۔ اس طرح سے جو صورت حالات پیدا ہوئی، اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنھیں یونیورسٹی کے امتحانات کا کافی تجربہ ہے۔ ہماری

قوتِ مطالعہ مُنتشِر ہوگئی اور خیالات میں پراگندگی پیدا ہوئی۔ اگر مجھے چار کی بجائے تین مضامین پڑھنے ہوتے تو جو وقت میں فی الحال چوتھے مضمون کو دے رہا تھا وہ بانٹ کر ان تین مضامین کو دیتا۔ آپ یقین مانیے، اس سے بڑا فرق پڑ جاتا۔ اور فرض کیا، اگر میں وہ وقت تینوں کو بانٹ کر نہ دیتا، بلکہ سب کا سب ان تینوں میں سے کسی ایک مضمون کے لیے وقف کر دیتا تو کم از کم اس مضمون میں تو ضرور پاس ہو جاتا۔ لیکن موجودہ حالات میں تو وہی ہونا لازم تھا جو ہوا۔ یعنی یہ کہ میں کسی مضمون پر بھی کما حقہٗ توجہ نہ کر سکا۔ کمپارٹمنٹ کے امتحان میں تو پاس ہو گیا۔ لیکن بی۔ اے میں ایک تو انگریزی میں فیل ہوا۔ وہ تو ہونا ہی تھا۔ کیوں کہ انگریزی ہماری مادری زبان نہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ اور فارسی میں بھی فیل ہو گیا۔ اب آپ ہی سوچیے نا، کہ جو وقت مجھے کمپارٹمنٹ کے امتحان پر صَرف کرنا پڑا وہ اگر میں وہاں صَرف نہ کرتا، بلکہ اس کی بجائے ـــــ مگر خیر یہ بات میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

فارسی میں کسی ایسے شخص کا فیل ہونا جو ایک عِلم دوست خاندان سے تعلق رکھتا ہو، لوگوں کے لیے از حد حیرت کا موجب ہوا۔ اور سچ پوچھیے تو ہمیں بھی اس پر سخت ندامت ہوئی۔ لیکن خیر اگلے سال یہ ندامت دُھل گئی اور ہم فارسی میں پاس ہو گئے۔ اس سے اگلے سال تاریخ میں پاس ہو گئے اور اس سے اگلے سال انگریزی میں۔

اب قاعدے کی رُو سے ہمیں بی۔ اے کا سرٹیفکیٹ مِل جانا چاہیے تھا۔ لیکن یونی ورسٹی کی اس طِفلانہ ضد کا کیا علاج کہ تینوں مضمونوں میں بیک وقت پاس ہونا ضروری ہے۔ بعض طبائع ایسی ہیں کہ جب تک یکسُوئی نہ ہو، مطالعہ نہیں کر سکتیں۔ کیا

ضروری ہے۔ کہ ان کے دماغ کو زبردستی ایک کھچڑی سا بنا دیا جائے۔ ہم نے ہر سال صرف ایک مضمون پر اپنی تمام تر توجہ دی اور اس میں وہ کامیابی حاصل کی کہ باید و شاید، باقی دو مضمون ہم نے نہیں دیکھے۔ لیکن ہم نے یہ تو ثابت کر دیا، کہ جس مضمون میں چاہیں پاس ہو سکتے ہیں۔

اب تک تو دو دو مضمونوں میں فیل ہوتے رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد ہم نے تہیّہ کر لیا، کہ جہاں تک ہو سکا اپنے مطالعہ کو وسیع کریں گے۔ یونی ورسٹی کے بیہودہ اور بے معنی قواعد کو ہم اپنی مرضی کے مطابق نہیں بنا سکتے تو اپنی طبیعت پر ہی کچھ زور ڈالیں۔ لیکن جتنا غور کیا اسی نتیجے پر پہنچے کہ تین مضمونوں میں بیک وقت پاس ہونا فی الحال مشکل ہے۔ پہلے دو میں پاس ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہم پہلے سال انگریزی اور فارسی میں پاس ہو گئے۔ اور دوسرے سال فارسی اور تاریخ میں۔

جن جن مضامین میں ہم جیسے جیسے فیل ہوئے وہ اس نقشے سے ظاہر ہیں:

(۱) انگریزی۔ تاریخ۔ فارسی۔

(۲) انگریزی۔ تاریخ۔

(۳) انگریزی۔ فارسی۔

(۴) تاریخ۔ فارسی۔

گویا جن جن طریقوں سے ہم دو دو مضامین میں فیل ہو سکتے تھے وہ ہم نے سب پورے کر دیے۔ اس کے بعد ہمارے لیے دو مضامین میں فیل ہونا ناممکن ہو گیا۔ اور ایک ایک مضمون میں فیل ہونے کی باری آئی۔ چنانچہ اب ہم نے مندرجہ ذیل نقشے کے

مطابق فیل ہونا شروع کر دیا :

(۵) تاریخ میں فیل

(٦) انگریزی میں فیل

اِتنی دفعہ امتحان دے چُکنے کے بعد جب ہم نے اپنے نتیجوں کو یوں اپنے سامنے رکھ کر غور کیا، تو ثابت ہوا کہ غم کی رات ختم ہونے والی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اب ہمارے فیل ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ فارسی میں فیل ہو جائیں۔ لیکن اس کے بعد تو پاس ہونا لازم ہے ہر چند کہ یہ سانحہ از حد جانکاہ ہوگا۔ لیکن اس میں یہ مَصْلَحَت تو ضرور مُضْمَر ہے۔ کہ اس سے ہمیں ایک قِسم کا ٹیکا لگ جائے گا۔ بس یہی ایک کسر باقی رہ گئی ہے۔ اس سال فارسی میں فیل ہوں گے اور پھر اگلے سال قطعی پاس ہو جائیں گے۔ چنانچہ ساتویں دفعہ امتحان دینے کے بعد ہم بے تابی سے فیل ہونے کا اِنتظار کرنے لگے۔ یہ اِنتظار دراصل فیل ہونے کا اِنتظار نہ تھا بلکہ اس بات کا اِنتظار تھا۔ کہ اس فیل ہونے کے بعد ہم اگلے سال ہمیشہ کے لیے بی۔ اے ہو جائیں گے۔

ہر سال امتحان کے بعد جب گھر آتا، تو والدین کو نتیجے کے لیے پہلے ہی سے تیار کر دیتا۔ رفتہ رفتہ نہیں بلکہ یکلخت اور فوراً۔ رفتہ رفتہ تیار کرنے سے خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے اور پریشانی مُفت میں طُول کھینچتی ہے۔ ہمارا قاعدہ یہ تھا کہ جاتے ہی کہ دیا کرتے تھے، کہ اس سال تو کم از کم پاس نہیں ہو سکتے۔ والدین کو اکثر یقین نہ آتا۔ ایسے موقعوں پر طبیعت کو بڑی اُلجھن ہوتی ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں پرچوں میں کیا لکھ کر آیا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ ممتحن لوگ اگر نشے کی حالت میں پرچے نہ دیکھیں تو میرا پاس

ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ چاہتا ہوں، کہ میرے تمام بہی خواہوں کو بھی اس بات کا یقین ہوجائے، تاکہ وقت پر اُنھیں صدمہ نہ ہو۔ لیکن بہی خواہ ہیں کہ میری تمام تشریحات کو محض کسرِ نفسی سمجھتے ہیں۔ آخری سالوں میں والد کو فوراً یقین آجایا کرتا تھا۔ کیوں کہ تجربے سے ان پر ثابت ہوچکا تھا کہ میرا اندازہ غلط نہیں ہوتا۔ لیکن اِدھر اُدھر کے لوگ "اجی نہیں صاحب" "اجی کیا کہہ رہے ہو۔" "اجی یہ بھی کوئی بات ہے۔" ایسے فقروں سے ناک میں دم کردیتے۔ بہرحال اب کے پھر گھر پہنچتے ہی ہم نے حسبِ دستور اپنے فیل ہونے کی پیشین گوئی کردی۔ دِل کو یہ تسلّی تھی، کہ بس یہ آخری دفعہ ہے۔ اگلے سال ایسی پیشین گوئی کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

ساتھ ہی خیال آیا، کہ وہ ہاسٹل کا قصہ پھر شروع کرنا چاہیے۔ اب تو کالج میں صرف ایک ہی سال باقی رہ گیا ہے۔ اب بھی ہاسٹل میں رہنا نصیب نہ ہوا تو عُمر بھر گویا آزادی سے محروم رہے۔ گھر سے نکلے، تو ماموں کے ڈربے میں۔ اور جب ماموں کے ڈربے سے نکلے، تو شاید اپنا ایک ڈربا بنانا پڑے گا۔ آزادی کا ایک سال۔ صرف ایک سال اور یہ آخری موقعہ ہے۔

آخری درخواست کرنے سے پہلے میں نے تمام ضروری مصالحہ بڑی احتیاط سے جمع کیا۔ جن پروفیسروں سے مجھے اب ہم عمری کا فخر حاصل تھا۔ ان کے سامنے نہایت بے تکلفی سے اپنی آرزوؤں کا اظہار کیا۔ اور ان سے والد کو خطوط لکھوائے کہ اگلے سال لڑکے کو ضرور آپ ہاسٹل میں بھیج دیں۔ بعض کامیاب طلبہ کے والدین سے بھی اسی مضمون کی عرضداشتیں بھجوائیں۔ خود اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ یونی ورسٹی سے جتنے لڑکے پاس ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ہاسٹل

میں رہتے ہیں، اور یونی ورسٹی کا کوئی وظیفہ یا تمغا یا انعام تو کبھی ہاسٹل سے باہر گیا ہی نہیں۔ میں حیران ہوں کہ یہ دلیل مجھے اس سے پیشتر کبھی کیوں نہ سوجھی تھی۔ کیوں کہ یہ بہت ہی کارگر ثابت ہوئی۔ والد کا اِنکار نرم ہوتے ہوتے غور و خوض میں تبدیل ہوگیا، لیکن پھر بھی ان کے دِل سے شک رفع نہ ہوا۔ کہنے لگے "میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ جس لڑکے کو پڑھنے کا شوق ہو وہ ہاسٹل کی بجائے گھر پر کیوں نہیں پڑھ سکتا۔"

میں نے جواب دیا۔ کہ ہاسٹل میں ایک عِلمی فضا ہوتی ہے، جو ارسطو اور افلاطون کے گھر کے سوا اور کسی گھر میں دستیاب نہیں ہوسکتی۔ ہاسٹل میں جسے دیکھو بحرِ عُلوم میں غوطہ زن نظر آتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ہر ہاسٹل میں دو دوسَو تین تین سَو لڑکے رہتے ہیں۔ پھر بھی وہ خموشی طاری ہوتی ہے کہ قبرستان معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ شام کے وقت ہاسٹل کے صحن میں جا بجا طَلَبہ عِلمی مباحثوں میں مشغول نظر آتے ہیں۔ علی الصباح ہر ایک طالب عِلم کتاب ہاتھ میں لیے ہاسٹل کے چمن میں ٹہلتا نظر آتا ہے۔ کھانے کے کمرے میں، کامن روم میں، غسل خانوں میں، برآمدوں میں، ہر جگہ لوگ فلسفے اور ریاضی اور تاریخ کی باتیں کرتے ہیں، جن کو ادبِ انگریزی کا شوق ہے وہ دن رات آپس میں شیکسپیئر کی طرح گفتگو کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ ریاضی کے طَلبہ اپنے ہر ایک خیال کو الجبرے میں ادا کرنے کی عادت ڈال لیتے ہیں۔ فارسی کے طَلَبہ رُباعیوں میں تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ تاریخ کے دلدادہ...."

والد نے اجازت دے دی۔

اب ہمیں یہ اِنتظار کہ کب فیل ہوں، اور کب اگلے سال

کے لیے عرضی بھیجیں ۔ اس دوران میں ہم نے ان تمام دوستوں سے
خط و کتابت کی جن کے متعلق یقین تھا کہ اگلے سال پھران کی رفاقت
نصیب ہوگی، اور انھیں یہ مُژدہ سُنایا۔ کہ آئندہ سال ہمیشہ کے لیے
کالج کی تاریخ میں یادگار رہے گا ۔ کیوں کہ ہم تعلیمی زندگی کا ایک
وسیع تجربہ اپنے ساتھ لیے ہاسٹل میں آ رہے ہیں ۔ جس سے ہم
طَلَبہ کی نئی پود کو مُفت مستفید فرمائیں گے ۔ اپنے ذہن میں ہم
نے ہاسٹل میں اپنی حیثیت ایک مادرِ مہربان کی سی سوچ لی جس
کے اِرد گرد ناتجربہ کار طلبہ مُرغی کے بچّوں کی طرح بھاگتے پھریں گے۔
سپرنٹنڈنٹ صاحب کو جو کسی زمانے میں ہمارے ہم جماعت رہ چکے
تھے لکھ بھیجا کہ جب ہم ہاسٹل میں آئیں گے تو فلاں فلاں مراعات
کی توقع آپ سے رکھیں گے اور فلاں فلاں قواعد سے اپنے آپ
کو مُستثنیٰ سمجھیں گے اطلاعاً عرض ہے ۔

اور یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد ہماری بدنصیبی دیکھیے کہ
جب نتیجہ نکلا، تو ہم پاس ہو گئے ۔

ہم پہ تو جو ظلم ہوا سو ہوا، یونی ورسٹی والوں کی حماقت
ملاحظہ فرمائیے، کہ ہمیں پاس کر کے اپنی آمدنی کا ایک مستقل
ذریعہ ہاتھ سے گنوا بیٹھے ۔

مشق

۱۔ اس سبق میں جو صاحب اپنا قصہ بیان کر رہے ہیں اُنھوں نے پہلے سال بی۔اے میں اپنے فیل ہونے کی کیا وجہ بتائی ہے ؟

۲۔ کمپارٹمنٹ کا امتحان کسے کہتے ہیں ؟ اس میں نقل کرنے کے امکانات کیوں کم ہوتے ہیں ؟

۳۔ وہ اپنے والدین کے سامنے بڑی بے خوفی کے ساتھ اپنی ناکامی کی پیشین گوئی کیوں کیا کرتے تھے ؟

۴۔ اُنھوں نے اپنے والد کے سامنے ہاسٹل میں رہنے کے کیا فوائد بیان کیے ؟

۵۔ وہ ہاسٹل میں کس وجہ سے رہنا چاہتے تھے ؟

۶۔ ہاسٹل کی زندگی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

۷۔ اپنے چھوٹے بھائی کو ایک خط لکھیے جس میں بتائیے کہ اسے امتحان کی تیاری کس طرح کرنی چاہیے ؟

۸۔ مندرجہ ذیل مصادر کو لازم سے متعدّی یا متعدی سے متعدّی المتعدّی بنائیے :۔
دوڑنا ۔ لکھنا ۔ پکڑنا ۔ دیکھنا ۔ جلنا ۔ گِھسنا ۔ سمجھنا ۔ بدلنا ۔

۹۔ ذیل کے الفاظ میں سے اسمِ جامد ۔ اسمِ مشتق ۔ اسمِ ضمیر ۔ اسمِ اشارہ ۔ اسمِ موصول ۔ حرفِ جار اور حرفِ عطف چُن کر لکھیے :۔
جو ۔ نے ۔ یہ ۔ تم ۔ پڑھنے والا ۔ کرسی ۔ اور

سیّد ابوالخیر کشفی

پہلا قدم شرط ہے

کوئی دس برس پہلے کی بات ہے کہ میں ناشتا کرکے اخبار پڑھ رہا تھا۔ خبریں ایسی تھیں کہ جی اداس ہوگیا۔ خالی الذہن اور لاتعلق ہوکر تو اخبار بھی نہیں پڑھا جاسکتا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ ڈاکے، یہ چوریاں، یہ باہمی جھگڑے، یہ زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے پر بھائی کے ہاتھوں بھائی کا قتل .... آخر یہ منظر کب بدلے گا۔

میں شاید اپنے آپ سے قدرے بلند آواز میں ہمکلام تھا۔ اتنے میں بیوی چائے کی پیالی ہاتھوں میں لیے میرے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے، کیا کب بدلے گا؟"

میں چونک پڑا۔ "کیا میں زور سے کچھ کہہ رہا تھا؟"

"ہاں، کچھ بدلنے کا ذکر تھا۔"

"اخبار پڑھتے ہوئے میں سوچنے لگا تھا کہ ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی کب تک انتشار اور بے مقصدیت میں مبتلا رہے گی۔"

"جب تک ہم اسے بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے، یہ خود بخود نہیں بدل سکتی۔ محض آرزوؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلتیں۔ تقدیریں تو اللہ کی اعانت اور اس کی عطا کردہ تعلیمات کی روشنی میں جدوجہد کرنے سے ہی بدلی جاتی ہیں۔" بیوی نے کہا۔

میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور بیوی سے کہا کہ ہم اپنا فرض دیانت سے ادا کرتے ہیں۔ الحمدللہ رزق حلال ہمارے اور ہمارے بچوں کے خون میں

زندگی بن کر گردش کر رہا ہے۔

بیوی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "الحمدللہ۔ مگر معاشرے کا بگاڑ کیا ہمارے انفرادی عمل سے رک جائے گا؟ آپ ہی تو کل عاکفہ کو سمجھا رہے تھے۔

چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو'

اور آپ کتنی مرتبہ ہمیں بتا چکے ہیں کہ عبادت سے جنت ملتی ہے اور خدمت خلق سے اللہ تعالیٰ ملتا ہے۔"

میں نے کہا کہ بی بی ہمارا پیشہ ہی خدمت خلق سے عبارت ہے۔ ایک صحافی کی حیثیت سے میں سچ کو اپنے پڑھنے والوں تک پہنچاتا ہوں۔ صحافت کو میں نے کبھی اپنا پیشہ تو نہیں سمجھا اور پھر جو کچھ لکھتا ہوں اس میں بھی تو لوگوں کے لیے پیغام ہوتا ہے۔ اور تم بھی تو کالج میں لڑکیوں کے ذہن کو روشنی عطا کر رہی ہو۔ اپنا علم، اپنی دردمندی ان تک منتقل کر رہی ہو۔

بیوی بولیں۔ "آپ نے اچھا ہوا کہ یہ باتیں چھیڑ دیں۔ میں کافی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے کچھ کہوں۔ آپ کی تنخواہ اور تحریروں سے ملنے والا معاوضہ ہمارے لیے کافی ہے۔ بیٹا ماشاء اللہ بڑے عہدے پر فائز ہے، بیٹیاں اپنے گھروں کی ہو گئیں، ایک باقی ہے ان شاء اللہ تعلیم مکمل کر کے وہ بھی اپنے گھر چلی جائے گی۔ میں سوچتی ہوں کہ کالج کی نوکری چھوڑ دوں اور نئے انداز سے سماجی کام کی ابتدا کروں۔"

میں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "اتنی ساری سماجی انجمنیں اور ادارے ہیں۔ آپ ان میں ایک اور کا اضافہ کرنے جا رہی ہیں۔"

بڑے سکون سے بیوی نے کہا۔ "بیشک سماجی خدمت کے بہت سے ادارے ہیں مگر ان میں باہمی رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ پھر اندھیرا اتنا ہے کہ ہر تاریک گوشے کو شمع کی ضرورت ہے۔ میں نے اس موضوع پر بہت سوچا ہے۔

میری بہت سی شاگرد ماشاء اللہ اب ذمے دار اور باحیثیت خواتین ہیں۔ ان میں جذبہ بھی ہے اور صلاحیتیں بھی ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں منظم کیا جائے۔"

میں نے بیوی سے کہا کہ مجھے تمھاری نوکری اور تنخواہ سے کچھ غرض نہیں۔ میں کبھی تمھارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنا۔ اگر تم مطمئن ہو تو بسم اللہ۔ یہ سن کر بیوی کے چہرے پر مجھے سکون کی ایسی جھلک نظر آئی جو میرے لیے ایک نیا تجربہ تھی۔

اگلے دن سے بیگم صاحبہ نے پڑوسنوں سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ میں شام کو مغرب کے بعد ویسے بھی اپنے مطالعے کے کمرے میں خود کو مُقیّد کر لیتا ہوں اور وہ اسی وقت اپنے گشت پر نکلتیں۔

آٹھ دس دن بعد انھوں نے اطلاع دی کہ ہماری کالونی میں لڑکیوں کا جو انڈسٹریل ہوم بند پڑا تھا اسے انھوں نے کالونی کی مجلس انتظامیہ سے حاصل کر لیا ہے اور خواتین کی ایک تنظیم قائم ہو گئی ہے۔ انھوں نے بڑے اعتماد سے کہا کہ اس تنظیم میں عہدوں پر جھگڑا نہیں ہوگا۔ سب عورتیں مل کر کام کریں گی۔ انھوں نے خوبصورت انداز میں طنز کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں مردوں کے سے عارضی عزم اور بلند لہروں جیسے ارادے نہیں، ہمیں کسی بڑی عمارت، اسٹاف اور ملازموں کی ضرورت نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ چلنے والوں کو ہم سفر مل جاتے ہیں اور ہاں ہمارے جلسوں میں اپنی کارکردگی کی نمائش کے لیے فوٹوگرافروں اور صحافیوں کو زحمت نہیں دی جائے گی۔ قصہ یہ تھا کہ اس دن کے اخباروں میں میری تصویر چھپی تھی جس میں ایک اسکول کے بچوں میں انعامات تقسیم کر رہا تھا۔

میں دلچسپی کے ساتھ اپنی خاتون اور ان کی ساتھیوں کی ان سرگرمیوں کو دیکھتا رہا۔ بستی کی لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی ہم سفر بن گئے۔ گھریلو دستکاری کا

مرکز پھر کھل گیا۔ وہاں لڑکیاں جو کچھ بناتیں اسے بعض نیک دل دکاندار معقول قیمت پر خریدنے لگے اور قیمت پیشگی ادا کرنے لگے۔ یوں مالی مشکلات کا مقابلہ کرنے والے کئی گھرانوں میں خوشحالی کے چراغ کی لو روشن تر ہو گئی۔

ان دنوں میٹرک سے لے کر بی۔ اے تک کے طالب علموں کو امتحان سے پہلے حلف نامہ بھرنا پڑتا تھا کہ انھوں نے ایک یا دو ناخواندہ افراد کو پڑھنا لکھنا سکھایا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ بچے اپنے نوکروں کا نام لکھ کر ان سے دستخط کرا لیتے تھے۔ ان خواتین نے بچوں کو سلیقے اور محبت سے سمجھایا کہ سچ سے آدمی بڑھتا ہے، پھلتا پھولتا ہے اور جھوٹ آدمی کو ہلاک کر دیتا ہے۔

ابھی ان سرگرمیوں کو صرف ایک سال ہی ہوا تھا کہ ہماری کالونی کے چالیس پچاس لڑکے لڑکیوں نے جو حلف نامے بھرے وہ سچے تھے۔ میں نے کالونی کے کئی ناخواندہ لوگوں کو اپنی مسجد میں آسان مذہبی اور عام معلومات کی کتابیں پڑھتے اور ایک دوسرے کو سناتے دیکھا۔

ایک صبح ہم نے کیا دیکھا کہ خواتین ہمارے گھروں کے سامنے واقع ایک میدان صاف کر رہی ہیں اور پتھر ایک کونے میں جمع کرتی جا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر کالونی کے بہت سے لڑکے اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے۔ "ارے خالہ! آپ لوگ یہ کیا کر رہی ہیں؟ لائیے جھاڑو ہمیں دے دیجیے۔"

"نہیں جھاڑو ہم دیتے ہیں۔ تم لوگ ٹوکریوں میں پتھر بھرو۔ ہم نے ٹرک منگایا ہے، آتا ہوگا۔ اس میں پتھر اور کوڑا ڈالتے جانا۔" بیگم رقیہ طارق نے کہا۔

تھوڑی دیر میں ہم مرد بھی اس ہجوم کا حصہ تھے۔ ہم لوگوں نے میدان کے چاروں طرف کیاریاں کھودنی شروع کر دیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ پانچ چھ مالی بھی آ گئے۔ بیگم ریاض الاسلام نے کہا: "یہ کام مزدور اور مالی سلیقے سے کر سکتے ہیں مگر ہماری اور آپ کی شرکت نے ہمیں اپنی نظروں میں محترم اور معتبر بنا دیا ہے۔"

میں نے کہا کہ دو چار برس کے بعد ان محبتوں کے نتیجے میں ہماری بستی روشن اور خوبصورت ہوجائے گی اور ہم کہہ سکیں گے کہ ہم بھی "چمن بندیٔ دوراں" میں شامل رہے ہیں۔ میری بیوی نے ہنستے ہوئے کہا: "سبحان اللہ یہ بستی اتنی بڑی ہوگئی کہ اس میں ذرا سے کام کو 'چمن بندیٔ دوراں' قرار دیا جارہا ہے۔ ہم نے جواب دیا: "جہاں آپ ہیں وہی ہماری دنیا ہے۔" اور سب لوگ ہنس پڑے۔

آج دس سال کے بعد وہ چھوٹا سا گھریلو صنعتی مرکز ایک دو منزلہ خوبصورت عمارت میں بدل گیا ہے۔ پہلی منزل میں گھریلو صنعتوں کا مرکز اور چھوٹی سی زچہ خانہ ہے۔ اس میں بستی کی ملازمت پیشہ خواتین اپنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ جاتی ہیں۔ وہ یقین رکھتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی اور خوش مزاج خواتین اور لڑکیوں کی نگرانی میں شام تک رہیں گے۔ دوسری منزل پر خواتین کے لیے طبی مرکز ہے۔ تین خواتین ڈاکٹر باری باری یہاں آتی ہیں اور ان کا معاوضہ وہ احترام ہے جو انھیں بستی میں حاصل ہے۔ شفاخانے کے دو کمروں کے ساتھ ہی دوسری منزل کے ایک کمرے میں چھوٹا سا کتب خانہ ہے۔

اب مغرب کے بعد میں اپنے آپ کو اپنے مطالعے کے کمرے میں بند نہیں کرلیتا بلکہ اپنے گھر کے سامنے کے مختصر سے پارک میں چہل قدمی کرتا ہوں۔ جب بیوی اپنے مرکز کے کتب خانے سے لوٹتی ہیں تو ان کے ساتھ گھر چلا جاتا ہوں۔ اب میں صبح کو فجر کی نماز کے بعد لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔ میری مانیے آپ بھی اپنی صبحوں کو مطالعے کے لیے وقف کردیجیے۔

مشق

۱۔ "خالی الذہن اور لاتعلق ہو کر اخبار نہیں پڑھا جاسکتا۔" بتائیے کیوں؟

۲۔ صحافت کا پیشہ کس طرح خدمت خلق سے عبارت ہے؟

۳- کیا معاشرے کا بگاڑ ہمارے انفرادی عمل سے رک جائے گا؟ وضاحت کیجیے۔

۴- وہ کون سی اہم باتیں ہیں جن کے نہ ہونے سے سماجی خدمت کے ادارے پوری طرح کامیاب نہیں ہوتے؟

۵- بستی کو خوبصورت اور خوش حال بنانے کے لیے خواتین نے کس طرح محنت کی؟

۶- مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:-

ان شاء اللہ، ماشاء اللہ، الحمد للہ، بسم اللہ، سبحان اللہ۔

۷- مندرجہ ذیل کی وضاحت کیجیے۔

"چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو" چمن بندیٔ دوراں،

رزق حلال، اندھیرا اتنا ہے کہ ہر تاریک گوشے کو شمع کی ضرورت ہے"

۸- مندرجہ ذیل کے سابقے اور لاحقے بتائیے:-

ذمے دار- باحیثیت- ہمسفر- خوش حالی- حلف نامہ- بلند آواز- دستکاری- ناخواندہ-

۹- "محض آرزوؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلتیں-" اس عنوان پر ایک مضمون لکھیے-

****

تاج محمد، اسسٹنٹ ایجوکیشن ایڈوائزر، وزارتِ تعلیم (شعبۂ نصاب) اسلام آباد

ہمت کرے انسان تو......

گل خان آج نئے عزم کے ساتھ گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ استاد صاحب سے سنی ہوئی بات نے اسے نیا حوصلہ بخشا تھا۔ انھوں نے تحریک پاکستان کے حوالے سے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود بدلنے کا تہیہ نہ کرلے۔ مسلمانوں نے اس ہدایت سے روشنی لی، اکٹھے ہوئے، کوشش کی، تدبیر سے کام لیا اور ایک آزاد ملک حاصل کر لیا۔

گل خان کے ماں باپ دیہات میں کھیتی باڑی کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے اور جو کچھ کھیت کھلیان سے آتا اس سے سال بھر گزر بسر کرتے۔ یوں ایک موسم جاتا اور دوسرا چلا آتا۔ لیکن اس گھر کی بے جان فضا میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ اپنے گاؤں اور گھر کے ماحول میں رنگا ہوا یہ خاندان غربت کو اپنا مقدر سمجھ بیٹھا تھا۔ گل خان کے دوسرے بہن بھائی کھیتی باڑی میں تھوڑا بہت ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے اور سوئے رہتے۔ گل خان اپنے بہن بھائیوں سے قدرے مختلف تھا۔ وہ سوچتا رہتا تھا کہ کیا ان کے حالات کبھی تبدیل نہ ہوں گے؟

آج وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغام پر عمل کر کے غلام قوم آزاد ہو سکتی ہے تو ہمارے گھر کے حالات کیوں نہیں بدل سکتے۔ اسے یقین تھا کہ اللہ کا پیغام سچا ہے۔ وہ اس پر خود بھی عمل کرے گا اور اپنے بہن بھائیوں کو بھی اس راہ پر چلانے کی کوشش کرے گا۔

اسکول جاتے ہوئے گل خان کی نظر روزانہ ایک پولٹری فارم پر پڑتی جہاں ہزاروں کی تعداد میں مرغیاں ہوتیں۔ وہ اکثر دیکھتا کہ وہاں سے سیکڑوں کی تعداد

میں مرغیاں اور بہت سے انڈوں سے بھرے کریٹ گاڑیوں میں بھر کر شہر میں بکنے کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے اسکول کے نزدیک ہی ایک سلائی مرکز بھی تھا جہاں قصبے کی لڑکیاں سلائی اور کڑھائی کا ہنر سیکھتی تھیں۔ اس سلائی مرکز کے صدر دروازے پر جلی حروف میں لکھا تھا "ہنر مند انسان اللہ کا دوست ہے۔" اگرچہ اس کی نظر ہر روز ان الفاظ پر پڑتی لیکن آج ان لفظوں نے اس کے دل پر بہت اثر کیا۔ دراصل استاد صاحب کی بات سننے سے اس کے ذہن کا بند دریچہ کھل چکا تھا۔

اسکول سے گھر تک وہ سوچتا رہا کہ آخر کب تک وہ اس تنگ و تاریک مکان میں زندگی گزارتے رہیں گے۔ گھر میں کام ہی کتنا ہے جو سارے افراد اس میں جتے رہتے ہیں۔ میری بہن پانچ جماعتیں پاس کر کے تعلیم جاری نہ رکھ سکی، کیوں نہ اُسے اس سلائی مرکز میں داخلہ دلوا دیا جائے۔ اگر اپنی زمین پر کھیتی باڑی کے ساتھ ساتھ ایک پولٹری فارم بنا لیا جائے تو اضافی آمدنی کا ایک ذریعہ بن جائے گا۔

شام ہوئی تو سب گھر والے کھانا کھانے بیٹھے۔ گل خان نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے عزم کے ساتھ وہ سب کچھ کہ ڈالا جو وہ دن بھر سوچتا رہا تھا۔ سلائی مرکز میں جانے کا سن کر اس کی بہن کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ بیٹے کے اس عزم اور ذہانت پر ماں باپ دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگے۔

گل خان کے والد نے کچھ سوچ کر کہا کہ پولٹری فارم قائم کرنے کے لیے پیسا کہاں سے آئے گا؟ بہن کو سلائی مرکز میں لانے لے جانے کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ گل خان تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا: "مجھے دسویں جماعت پاس کرنے میں ایک سال لگے گا۔ بہن کی ذمے داری میں خود نبھاؤں گا۔ رہی پولٹری فارم کی بات تو میں اپنے استاد صاحب سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔"

اگلے روز گل خان کے استاد نے بتایا کہ حکومت پولٹری فارم یا اس قسم کے چھوٹے موٹے کاروبار چلانے کے لیے سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ گل خان نے

استاد صاحب کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی زمین پر ایک چھوٹا سا پولٹری فارم قائم کرلیا۔ استاد صاحب نے ایک کتابچہ بھی لا کر دیا جس میں مرغیوں کی افزائش اور ان کی دیکھ بھال کے طریقے درج تھے۔

بہن کا سلائی مرکز میں داخلہ اور اپنا پولٹری فارم، گل خان کے چند روز قبل دیکھے گئے خواب تھے۔ کہتے ہیں کہ "حرکت میں برکت ہے۔" اب گل خان کے خواب حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔ گھر کے سبھی افراد ہنسی خوشی اپنی اپنی ذمے داری پوری کر رہے تھے۔ پولٹری فارم کی اضافی آمدنی اس گھر کے مردہ جسم میں نئی جان ڈال رہی تھی۔ گل خان کی بہن سلائی مرکز سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں میں کام کرنے لگ گئی تھی۔ گل خان کے دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنے تک پولٹری فارم کا کام کافی پھیل چکا تھا۔ لہٰذا اس نے نوکری کی بجائے اپنے پھیلتے کاروبار کو سنبھال لیا تھا۔ گل خان نے اپنی تعلیم کو خیرباد کہ دیا لیکن اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ اب گل خان کا تعلق ایک پڑھے لکھے اور خوش حال خاندان سے تھا۔

کاش ہمارے معاشرے میں ایسے گل خان اور بھی پیدا ہوں!

مشق

۱۔ اللہ تعالیٰ کس قوم کی حالت بدلتا ہے؟

۲۔ شروع شروع میں گل خان کے گھر کے حالات کیا تھے؟

۳۔ گل خان اکثر کیا سوچتا رہتا تھا؟

۴۔ کس بات نے گل خان کو متاثر کیا؟

۵۔ گل خان کے گھر کے حالات کیسے بدل گئے؟

۶۔ ذیل کے الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:۔
عزم۔ تہیہ کرنا۔ کھیت کھلیان۔ گزر بسر۔ ذہن کا دریچہ کھلنا۔ جلی حروف۔
تنگ و تاریک۔ چہرہ دمک اٹھنا۔

۷۔ ذیل کے جملوں کا مفہوم بیان کیجیے:۔
(الف) اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود بدلنے کا تہیہ نہ کرلے۔
(ب) حرکت میں برکت ہے۔
(ج) ہنر مند انسان اللہ کا دوست ہے۔
(د) ماں باپ دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگے۔
(ہ) گل خان کے خواب حقیقت کا روپ دھار چکے تھے۔

۸۔ اس سبق میں سے پانچ جملے ایسے لکھیے جن میں فعل معروف کا استعمال کیا گیا ہو۔

۹۔ "حرکت میں برکت ہے" پر ایک مضمون لکھیے۔

****

حصۂ نظم

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی
۱۸۴۴ء — ۱۹۱۷ء

حمد

خُدایا اوّل و آخر بھی تُو ہے
خُدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے

وہ اَوّل تُو کہ ہے آخر سے آخر
وہ آخر تُو کہ ہے اَوّل سے فاخر

نہیں اَوّل کو آخر سے جُدائی
وَرائے عقل ہے تیری خدائی

زمین و آسماں کا نُور ہے تُو
مگر خود ناظِر و منظور ہے تُو

مُسَلّم ہے تجھی کو حکمرانی
کہ تیری سلطنت ہے جاوِدانی

مولانا ظفر علی خان
۱۸۷۳ء — ۱۹۵۶ء

نعت

دیکھی نہیں کسی نے اگر شانِ مصطفیٰؐ
دیکھے کہ جبرئیلؑ ہے دربانِ مصطفیٰؐ

اسلام کا زمانے میں سکّہ بٹھا دیا
اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفیٰؐ

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضورؐ پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰؐ

رشتہ مرا خدا کی خدائی سے چھوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفیٰؐ

لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں
گاتا ہے جس کو بلبلِ بستانِ مصطفیٰؐ

شاہ عبداللطیف بھٹائی ؒ

۱۶۸۹ء — ۱۷۵۲ء

وائی[1]

وہی ایک شایانِ جود و سخا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

کوئی بے ہنر یا اپاہج ہو کوئی
بہرحال بندوں پہ اُس کی عطا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

وہ چاہے تو عزّت وہ چاہے تو ذلّت
جسے جو مِلا ہے، اُسی سے مِلا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

عَدَم سے کیا اُس نے تخلیق سب کچھ
وہی خالقِ بزم ہر دوسرا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

وہ قادر ہے ہر شے پہ قدرت ہے اُس کو
اُسی کے لیے ساری حمد و ثنا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

اُنھیں پر ہوا ہے عتاب اُس کا نازل
جنھیں حرصِ دولت نے بہکا دیا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

لطیفؔ ایسے آقا کی تعریف کیا ہو!
مُقَدَّم بہرطور اُس کی رضا ہے
ہر اک آدمی اُس کے در کا گدا ہے

مترجم - شیخ ایاز

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے :۔

زمین و آسمان کا نور ہے تو | مگر خود ناظر و منظور ہے تو
وہ اوّل تو کہ ہے آخر سے آخر | وہ آخر تو کہ ہے اوّل سے فاخر

دیکھی نہیں کسی نے اگر شانِ مصطفیٰ | دیکھے کہ جبرئیلؑ ہے دربانِ مصطفیٰ
لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں | گاتا ہے جس کو بلبلِ بستانِ مصطفیٰ

عدم سے کیا اس نے تخلیق سب کو | وہی خالقِ بزمِ ہر دوسرا ہے
انھیں پر ہوا ہے عتاب اس کا نازل | جنھیں حرصِ دولت نے بہکا دیا ہے

۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے :

ورائے عقل ۔ جاودانی ۔ یارانِ مصطفیٰ ۔ بلبلِ بستانِ مصطفیٰ ۔
شایانِ جود و سخا ۔ خالقِ ہر دوسرا ۔

۳۔ حمد اور نعت کے فرق کو واضح کیجیے ۔

۴۔ قافیہ اور ردیف کے فرق کو واضح کیجیے اور مثال دے کر سمجھائیے ۔

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے ہر لفظ کے کم از کم تین تین ہم قافیہ الفاظ لکھیے :۔

نور ۔ خدائی ۔ شان ۔ جنگ ۔ عبادت ۔

---

[۱] وائی سندھی زبان میں نظم کی ایک خاص شکل ہے ، جس میں مطلع کا مصرعۂ ثانی ہر شعر کے بعد دہرایا جاتا ہے ۔

میر تقی میرؔ
۱۷۲۳ء — ۱۸۱۰ء

غزل

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

عشق پیچے کی طرح حسن گرفتاری ہے
لطف کیا سرو کے مانند گر آزاد رہو

ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے
دشت میں قیس رہو، کوہ میں فرہاد رہو

وہ گراں خواب جو ہے ناز کا اپنے سو ہے
داد بے داد رہو شب کو کہ فریاد رہو

میرؔ مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے
اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو

خواجہ میر درد
۱۷۱۹ء — ۱۷۸۵ء

غزل

تہمتِ چند اپنے ذِمّے دھر چلے
کِس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے اِدھر اُودھر چلے

دوستو! دیکھا تماشا یاں کا بس
تُم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کی مانند ہم اِس بزم میں
چشمِ نم آئے تھے، دامن تر چلے

ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

دردؔ! کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کِس طرف سے آئے تھے کِدھر چلے

مرزا اسداللہ خاں غالب

۱۷۹۷ء —— ۱۸۶۹ء

غزل

دِل ناداں تجھے ہُوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زباں رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

بہادر شاہ ظفؔر

۱۷۷۵ء — ۱۸۶۲ء

غزل

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں، کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غمِ عشق تو اپنا رفیق رہا، کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہُنر
پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

ہمیں ساغرِ بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہدِ نشاط یہ دورِ طرب، نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

ظفؔر آدمی اس کو نہ جانیے گا، وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

حسرت موہانی
۱۸۷۵ء — ۱۹۵۱ء

غزل

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

ہر نغمے نے اُنھیں کی طلب کا دیا پیام
ہر ساز نے اُنھیں کی سنائی صدا مجھے

ہر بات میں اُنھیں کی خوشی کا رہا خیال
ہر کام سے غرض ہے اُنھیں کی رضا مجھے

رہتا ہوں غرق ان کے تصوّر میں روز و شب
مستی کا پڑ گیا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

بے وجہ تم جو بیٹھ رہے ہو کے بے خبر
آخر یہ کس خطا کی ملی ہے سزا مجھے

میں اُن سے عفوِ جرم کی درخواست کیا کروں
معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

حسرت یہ کس کے حُسنِ محبت کا ہے کمال
کہتے ہیں سب جو شاعرِ رنگیں نوا مجھے

جگرؔ مراد آبادی
۱۸۹۰ء — ۱۹۶۰ء

غزل

نہیں جاتی کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ!
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

بلندی چاہیے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
کوئی ہو بھیس لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

چلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

محبت میں اِک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

ناصؔر کاظمی
۱۹۲۶ء — ۱۹۷۲ء

غزل

جب ذرا تیز ہوا ہوتی ہے
کیسی سُنسان فضا ہوتی ہے

ہم نے دیکھے ہیں وہ سنّاٹے بھی
جب ہر اک سانس صدا ہوتی ہے

دل کا یہ حال ہوا تیرے بعد
جیسے ویران سرا ہوتی ہے

مُنہ اندھیرے کبھی اُٹھ کر دیکھو
کیا تر و تازہ ہوا ہوتی ہے!

حادثہ ہے کہ خزاں سے پہلے
بوئے گُل، گُل سے جدا ہوتی ہے

اک نیا دَور جنم لیتا ہے
ایک تہذیب فنا ہوتی ہے

جب کوئی غم نہیں ہوتا ناصؔر
بے کلی دل کی سوا ہوتی ہے

مشق

۱۔ ذیل کے اشعار کی تشریح کیجیے :۔

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

شمع کی مانند ہم اس بزم میں چشمِ نم آئے تھے دامن تر چلے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

ہر نغمے نے انھیں کی طلب کا دیا پیام ہر ساز نے انھیں کی سنائی صدا مجھے

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

چلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

ہم نے دیکھے ہیں وہ سناٹے بھی جب ہر اک سانس صدا ہوتی ہے

۲۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم بیان کیجیے :۔
حضورِ شمع ۔ جینے کے ہاتھوں مر چلے ۔ دلِ ناداں ۔ شانِ سلطانی ۔ ویران سرا۔

۳۔ مطلع اور مقطع کے فرق کی وضاحت کیجیے اور مثال دیجیے۔

۴۔ ذیل کے الفاظ میں سے ظرفِ مکاں اور ظرفِ زماں علیحدہ علیحدہ کرکے لکھیے :۔
بہار ۔ جنگل ۔ دوپہر ۔ باغ ۔ شب ۔ کلیسا ۔ بازار ۔ سحر ۔

نظیر اکبر آبادی
وفات ۱۸۳۰ء

ہنس نامہ

دنیا کی جو الفت کا ہوا دل کو سہارا
اور اس نے خوشی کو مری خاطر میں اُتارا
دیکھی جو یہ اُلفت تو مرا دل یہ پُکارا
آیا تھا کسی شہر سے اِک ہنس بچارا
اِک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اُس کا گزارا

بلبل نے کیا اُس کی محبت میں خوش آہنگ
اور کوکلے کویل نے بھی اُلفت کو لیا سنگ
کھنجن ہیں کلنگوں میں بھی چاہت کی مچی جنگ
دیکھا جو طیوروں نے اُسے حُسن میں خوش رنگ
وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ چل کر اُسے دیکھیں
اور اُس کی محبّت سے ذرا منہ کو نہ پھیریں
دِن رات اُسے خوش رکھیں نت سُکھ اُسے دلویں
صحبت جو ہوئی ہنس کی اُن جانوروں میں
یک چند رہا خوب محبّت کا گزارا

سب ہو کے خوش اُس کی مئے اُلفت لگے پینے
اور پیت سے ہر ایک نے واں بھر لیے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے
اُس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے

اِک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لُطف و کرم تم نے کیے ہم پہ ہیں جو جو
تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو
لو یارو ہم اب جائیں گے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اَب تک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش
اب یادِ وطن دل کی ہمارے ہوئی ہم دوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش
اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش

سب بولے یہ فُرقت تو نہیں ہم کو گوارا

پھر ہنس نے اُن سے کہی یہ بات کئی بار
کچھ بس نہیں، اب چلنے کی ساعت سے ہیں ناچار
آنکھیں ہُوئیں اشکوں سے پرندوں کی گُہر بار
اتنے میں جو شب گُزری، ہوئی صبح نمودار

پر اپنا ہَوا پر وہیں اُس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اس پیڑ سے واں کو چلا ناگاہ
منہ پھیر کے اِدھر سے وطن کی جوں ہی لی راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ!
سب ساتھ چلے اس کے وہ ہمراز و ہَواخواہ

ہر ایک نے اُڑنے کے لیے پنکھ پسارا

پر ان کے ہوئے تر، جوں ہی دُوری کی پڑی اوس
روئے کہ رفاقت کی کریں کیوں کہ قدم بوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس
کوئی تین، کوئی چار، کوئی پانچ اُڑا کوس

کوئی آٹھ، کوئی نو، کوئی دس کوس پہ ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار
اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
جب دیکھی یہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار
کوئی یاں رہا، کوئی واں رہا، کوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا

دُنیا کی جو اُلفت ہے تو اس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیوں کہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا ہیں تو واں کیجیے کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ!
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

مشق

۱۔ "ہنس نامہ" کے چھٹے اور آخری بند کی تشریح کیجیے۔
۲۔ "ہنس نامہ" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۳۔ اس نظم کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔
۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کیجیے:۔
مئے الفت لگے پینے۔ رہے فرصت سے ہم آغوش۔ آنکھیں ہوئیں اشکوں سے گہربار۔
ہمراز و ہواخواہ۔ دوری کی پڑی اوس۔ ہنس اکیلا ہی سدھارا۔

خواجہ الطاف حسین حالؔی
۱۸۳۷ء —— ۱۹۱۴ء

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ ، وہ کیا تھا — جہاں سے الگ اِک جزیرہ نُما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جُدا تھا — نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کُشا تھا

تمدّن کا اُس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقّی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی روز چلتی تھی تلوار اُن میں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانب بوقبیس ابرِ رحمت

اَدا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہُوئی پہلُوئے آمنہ سے ہویدا

دُعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطاکار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسِد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حِرا سے سُوئے قوم آیا

اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کُندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اِک آن میں اُس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہَوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگادی اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

مشق

۱۔ اس نظم میں سے جو دو بند آپ کو پسند ہوں ان کی تشریح کیجیے۔ اور یہ بتائیے کہ یہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟

۲۔ اسلام سے پہلے عربوں کا کیا حال تھا؟

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب پر کس طرح اپنی رحمت نازل فرمائی؟

۴۔ رسول کریمؐ نے عربوں کی زندگی میں کیا عظیم انقلاب پیدا کر دیا؟

۵۔ اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۶۔ ذیل کے مرکبات کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

قانون کا تازیانہ ۔ ابرِ رحمت ۔ بر لانا ۔ بد اندیش ۔ خطا کار

۷۔ مال و متاع، مال و دولت، یہ دو مستعمل ترکیبیں ہیں۔ جن میں ہم معنی لفظوں کے جوڑے ہیں۔ نیچے دونوں کالموں کے الفاظ کو ملا کر ایسی ہی ترکیبیں بنائیے۔

الف : کشت ۔ زیب ۔ ذوق ۔ حسن ۔ نرم

ب : زینت ۔ جمال ۔ نازک ۔ شوق ۔ خون

علّامہ اقبالؒ
۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء

جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظرِ حنا کی عروسِ زمینِ شام
اِک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آکر ہُوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ رُخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکوں کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسُولؐ میں
اِک دم کی زندگی بھی محبّت میں ہے حَرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالت مآبؐ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام
بولا امیر فوج کہ "وہ نوجواں ہے تو"
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پُوری کرے خدائے محمدؐ تری مُراد
کتنا بلند تیری محبّت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہِ رسُولِ امیںؐ میں تُو!
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے!

جوابِ شکوہ

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے

طبعِ آزاد پہ قیدِ رمَضاں بھاری ہے
تمھیں کہدو یہی آئینِ وفاداری ہے

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟

میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

مَنفعَت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک

حَرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مُسلمان بھی ایک؟

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

مثلِ بُو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہوجا
رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہوجا

ہے تُنک مایہ تُو ذرّے سے بیاباں ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا

قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

مشق

۱۔ نظم "جنگ یرموک کا ایک واقعہ" کے چوتھے، چھٹے اور آخری شعر کی تشریح کیجیے۔

۲۔ نظم "جوابِ شکوہ" کے دوسرے، چوتھے اور آخری بند کی تشریح کیجیے

۳۔ ذیل کے مرکبات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

جوانانِ تیغ بند۔ منتظرِ حنا۔ صورتِ سیماب۔ صفتِ تیغِ بے نیام۔

جذبِ باہم۔ رختِ بردوش۔ ہوائے چمنستان۔ تنک مایہ۔

۴۔ نظم "جنگ یرموک کا ایک واقعہ" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے

۵۔ نظم "جواب شکوہ" میں علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو کیا احساس دلانا چاہتے ہیں؟

۶۔ نظم "جنگ یرموک کا ایک واقعہ" میں سے حروفِ اضافت جار، عطف، شرط، بیان اور موصولہ چن کر لکھیے۔

۷۔ ذیل کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہونے والے متضاد لکھیے۔

(مثلاً روز و شب) سود۔ پس۔ کش۔ شاہ۔ خشک، گل۔ پست۔ سفید۔

۸۔ ذیل کے الفاظ کی جمع لکھیے:۔

ناصر۔ نبی۔ کافر۔ لقب۔ منزل۔ ناظر۔ وہم۔ یوم۔ نجم۔ ولی۔

۹۔ ذیل کے الفاظ کے واحد لکھیے:۔

یتامیٰ۔ ورثاء۔ انہار۔ وزراء۔ وظائف۔ انواع۔ کُتُور۔ لغات۔ قصائد۔ قیُود۔

حفیظ جالندھری
۱۹۰۰ء — ۱۹۸۲ء

صحرا کی دعا

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر
دعا کی دامنِ صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر

کہ اے صحرا کو آتش ناک چہرہ بخشنے والے
رُخِ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے

ہُوا ہوں جب سے پیدا جان پانی کو ترستی ہے
مرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے

میں سمجھا تھا مقدر ہو چکی ہے دھوپ کی سختی
مری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ بختی

بنایا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا
لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقیٔ کوثرؐ یہاں تشریف لائے گا

اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی

خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے، غازی آ کے ٹھہریں گے

خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو
بنایا جائے گا فرشِ عبادت میرے دامن کو

خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مُصفّا حوض بھر رکھتا

وہ پانی ان مقدس میہمانوں کو پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرتؐ سے بُجھالیتا

یہ ستّر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے
مجاہد بھی وضو کرتے، نہاتے، غُسل فرماتے

حضورِ ساقیٔ کوثرؐ مری کچھ لاج رہ جاتی
مری عزّت، مری شرمِ عقیدت آج رہ جاتی

ترے محبوبؐ کے پیارے قدم اِس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رَحْمَۃٌ لِّلعَالَمِیںؐ سے شرم آئے گی

جلیل القدر مہمانوں کا صدقہ، مہربانی کر
عطا بہرِ وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر

برائے چند ساعت ابرِ باراں بھیج دے یارب!
بہاراں بھیج دے یارب، بہاراں بھیج دے یارب!

مشق

۱۔ صحرا نے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا مانگی اور کیوں؟

۲۔ "صحرا کی دعا" کے کوئی سے چار اشعار جو آپ کو پسند ہوں ان کی تشریح کیجیے۔

۳۔ مندرجہ ذیل تراکیب کا مفہوم بتائیے:

آبلہ پا۔ سوختہ بختی۔ ساقیٔ کوثر۔ فرشِ عبادت۔ دیدارِ حضرتؐ۔ ابرِ باراں۔

۴۔ ذیل کے سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے کم از کم دو دو لفظ بنائیے:۔

سر۔ بار۔ کُش۔ گو۔ خوار۔ کم۔ تُند۔ پسند۔ پرست۔ پُر۔

۵۔ ذیل کے شعر میں حرفِ شرط اور حرفِ جزا کی نشان دہی کیجیے:۔

اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃٌ للعالمینؐ سے شرم آئے گی

احسان دانش
۱۹۱۴ء - ۱۹۸۲ء

برسات

ساون کی ہے زور پر جوانی — گرمی کا جگر ہے پانی پانی

بدلی جو برس کے تھم گئی ہے — گلشن میں بہار جم گئی ہے

مٹی سے اُبل رہا ہے بادہ — سبزے پر مچل رہا ہے بادہ

نشہ سا برس رہا ہے سب پر — نغمہ سا ہے ہوا کے لب پر

نالے ہیں کہ راگ گا رہے ہیں — جنگل ہیں کہ سنسنا رہے ہیں

بیتاب ہے آب و گِل میں مستی — آنکھوں میں ہے رنگ دل میں مستی

ہے موجِ طرب ہر ایک جھونکا — پتّوں میں لگا ہوا ہے ٹپکا

باغوں میں ہوائیں گونجتی ہیں — موروں کی صدائیں گونجتی ہیں

ہر ایک درخت دُھل گیا ہے — ہر چیز کا رنگ کُھل گیا ہے

نہریں سی بنی ہوئی ہیں راہیں — پیڑوں کی لچک رہی ہیں باہیں

کیا کہیے کہ ہے خیال کس کا
آنکھوں میں ہے اب جمال کس کا

مشق

۱۔ بارش کی وجہ سے باغوں میں کیا کیفیت پیدا ہوگئی ہے؟ لکھیے۔

۲۔ شاعر نے "راہوں" کو "نہریں" کیوں کہا ہے؟

۳۔ اس نظم کو پڑھ کر آپ کے ذہن میں کیا نقشہ آتا ہے؟ اسے اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۴۔ ذیل کے اشعار کی تشریح کیجیے :-

نشہ سا برس رہا ہے سب پر ۔۔۔ نغمہ سا ہے ہوا کے لب پر

ہے موجِ طرب ہر ایک جھونکا ۔۔۔ پتوں میں لگا ہوا ہے ٹپکا

نالے ہیں کہ راگ گا رہے ہیں ۔۔۔ جنگل ہیں کہ سنسنا رہے ہیں

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ و محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

جگر پانی پانی ہونا ۔ راگ گانا ۔ آب و گِل ۔ ٹپکا لگنا ۔ صدائیں گونجنا ۔ رنگ کھلنا ۔

میر انیس
۱۸۰۲ء - ۱۸۷۴ء

صبح کا سماں

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نُور
دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے اَوجِ طور
پیدا گلُوں سے قدرتِ اللہ کا ظُہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طُیُور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینُو اَساس سے
جنگل تھا سب بَسا ہُوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریٔ فلک
وہ جھُومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گُہر ہائے آب دار

اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہراؑ جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کُو کُو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دُھوم
سُبحانَ ربّنا کی صَدا تھی علی العمُوم
جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم

کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے ربِ عُلا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حَیُّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار !
تہلیل تھی کہیں، کہیں تسبیحِ کردگار

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

مشق

۱۔ "صبح کا سماں" کے پہلے، چوتھے اور آخری بند کی تشریح کیجیے۔

۲۔ ذیل کے مرکبات کا مفہوم بتائیے :۔

ارنی گوئے طور۔ وادیٔ مینوا ساس۔ اطلس زنگاریٔ فلک ۔ نالۂ حق سرہ۔ گوہرِ یکتا۔ تہلیل و تسبیح ۔ یا حیُّ یا قدیر ۔ نخلِ گلشنِ زہراؓ ۔

۳۔ اس نظم میں صبح کی جو منظر کشی کی گئی ہے وہ تحریر کیجیے۔

۴۔ آپ صبح کو نماز پڑھنے اور سیر کرنے کے لیے اُٹھتے ہوں گے۔ اپنی صبح کے بارے میں ایک مختصر سا مضمون لکھیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے علَم خطاب ۔ لقب ۔ عرف ۔ کنیت اور تخلص چن کر لکھیے۔

دبیر الملک مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب ۔ شیرِ خدا حضرت علی بن ابی طالبؓ ۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ ۔ سر سید احمد خان ۔

۶۔ مندرجہ ذیل کی جمع اور جمع الجمع لکھیے۔

دوا ، خبر ، نادر ، حکم ، جوہر ، عجیب ، وجہ ، رسم ، رکن ، فتح ، رقم ، لازم۔

۷۔ ذیل کے اسماء میں جو مُصَغَّر ہوں ان کے مُکَبَّر اور جو مُکَبَّر ہوں ان کے مُصَغَّر بنائیے۔

کنواں ، باغ ، کھٹولا ، روٹی ، تلیا ، چٹیا ، چرخہ ، پڑیا ، پُل ، چھتری۔

ساقی جاوید
ولادت ۱۹۲۵ء

محنت اپنی آن

محنت اپنی آن
محنت اپنی شان
محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان

محنت اپنے دل کا اُجالا، محنت سر کا سایہ
محنت اپنی پاک زمیں کا سب سے بڑا سرمایہ
محنت سے جو پیار کرے وہ سب سے بڑا انسان
محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان
محنت اپنی آن —— محنت اپنی شان

محنت دل کے دیے جلائے، من کے پھول کھلائے
جس مٹی میں ملے پسینہ وہ سونا بن جائے
محنت سے ہر کھیت پھلے ہر فصل چڑھے پروان
محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان
محنت اپنی آن —— محنت اپنی شان

محنت کا انعام خوشی ، محنت کا صِلہ خوش حالی

بستی بستی بولے اپنے دل کے لہو کی لالی

محنت ہے ماتھوں کی کسوٹی، سینوں کی میزان

محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان

محنت اپنی آن —— محنت اپنی شان

محنت کے سب قُطُب مَنارے ، محنت کے اَہرام

محنت کرنے والے ہاتھو ! تم کو مرا سلام

محنت کی حُرمت کی گواہی دیتا ہے قرآن

محنت زندہ قوموں کی ہے عظمت کی پہچان

محنت اپنی آن —— محنت اپنی شان

مشق

١- اس نغمے کے پہلے اور آخری بند کی تشریح کیجیے۔

٢- محنت کو ملک و قوم کا سب سے بڑا سرمایہ کیوں کہا گیا ہے ؟

٣- آپ اپنے چاروں طرف دیکھیے آپ کو بہت سے لوگ محنت کرتے نظر آئیں گے مثلاً کسان ، بڑھئی ، مزدور وغیرہ ، آپ ایسے ہی دوسرے محنت کرنے والوں کا حال مختصر طور پر لکھیے۔

٤- ذیل کے الفاظ میں سے سابقے اور لاحقے چن کر علیحدہ علیحدہ لکھیے۔
خوں ریز ، لاحاصل ، خوش طبع ، دیدہ زیب ، فن کار ، بہ ذوق ، ہمکلام ، زود ہضم ، نیم گرم ، سجدہ گزار۔

فرہنگ

فرہنگ

ا

آبا — لفظ "اب" کی جمع ہے۔ "اب" کے عربی میں معنی ہیں، باپ۔ آبا کے مرادی معنی ہوئے باپ دادا وغیرہ۔

آب و گل — پانی اور مٹی اس سے مراد انسانی فطرت یا مزاج ہے۔

آبلہ پا — آبلہ بمعنی چھالا اور پا یعنی پیر۔ مراد وہ شخص ہے جس کے پیروں میں چلتے چلتے چھالے پڑ گئے ہوں۔

اپنے رکاب کی فوج — اپنے ماتحت فوجی دستہ۔

آتش بازی کے بان — آتش بمعنی آگ اور بان بمعنی تیر۔ مراد وہ تیر جو جنگ کے دوران آگ لگانے کے لیے دشمن پر پھینکے جاتے تھے۔ ان تیروں کے سروں پر مٹی کے تیل میں بھیگا ہوا کپڑا باندھ کر آگ لگا دیتے تھے۔ پھر وہ جلتے ہوئے تیر دشمن کی طرف پھینکے جاتے تھے۔

اجتہاد — ایسے نئے مسائل کے بارے میں جن کا قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں پہلے سے فیصلہ نہ ہوا ہو، ان کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرنا۔

ادبدا کے — لازماً، ضرور بالضرور، بے اختیار ہو کر۔

ارکان دولت — حکومت کو چلانے والے اعلیٰ عہدیدار

ازواج مطہرات — لفظی معنی ہیں "پاک بیبیاں" یوں مراد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاک سیرت بیویاں۔

استہزاء — مذاق اڑانا۔ ٹھٹھا کرنا۔

اسلاف — سلف کی جمع یعنی بزرگ، اگلے وقتوں کے لوگ۔

اشنان — غسل

اشراق — وہ نفل جو سورج طلوع ہونے کے فوراً بعد پڑھے جاتے ہیں۔

اطلس زنگاری فلک — اطلس یعنی ایک خاص قسم کا ریشمی کپڑا یا چادر۔ زنگاری یعنی نیلی۔ مراد ہے آسمان کی نیلی چادر۔ کنایہ نیلا آسمان۔

اضطراراً — بے تابی سے، بے اختیار ہو کر۔

اعداد — شمار۔ گنتی۔

اقران و امثال — اقران "قرن" کی جمع ہے یعنی اپنے قریب کے لوگ۔ امثال "مثل" کی جمع ہے یعنی اپنے جیسے یا اپنے ہم مرتبہ۔

اقتضائے ہمت — ہمت کا تقاضا۔

امر حادث ہونا — ناخوشگوار واقعہ پیش آنا۔ انہونی ہونا۔

آنکنا — قیمت لگانا

آنند — چین۔ آرام۔

آویزاں — لٹکا ہوا۔

ابطالِ غلامی — غلامی کو بے حقیقت اور جھوٹا ثابت کرنا۔

اہرام — مصر میں بنی ہوئی پتھروں کی قدیم مخروطی عمارتیں جنھیں مصر کے فرعونوں نے اپنے مقبروں کے لیے تعمیر کروایا تھا۔

ایک ڈال — بے جوڑ۔

ب

باوصف — باوجود۔

باللہ واللہ — خدا کی قسم

بپتا — مصیبت۔ دکھ بھری داستان

بتدریج — درجہ بدرجہ۔ آہستہ آہستہ۔ رفتہ رفتہ۔

بدعت — کوئی نئی بات پیدا کرنا۔

بذل وسخا — عطا۔ بخشش۔

برس کے برس دن — سالانہ تہوار یا جشن کے موقعے پر۔

بشرطِ حیات — اگر زندگی رہی تو۔

بطحا — وہ وادی جس میں مکہ معظمہ واقع ہے۔ مکہ معظمہ کو بطحا بھی کہتے ہیں۔

بعینہٖ — بالکل اسی طرح

بکٹ پہرے کے سپاہی — بکٹ یعنی فوجی کیمپ یعنی وہ سپاہی جو فوجیوں کے کیمپ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد پہرہ دیتے ہیں۔

بلبلِ بستانِ مصطفیٰ ﷺ — حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ کا بلبل۔ مراد ہے نعت گو شاعر۔

بوعبیدہ — ایک مشہور صحابی رسول ﷺ جن کا پورا نام ابوعبیدہؓ ابن جراح تھا۔ آپؓ جنگ یرموک میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔

بوقبیس — مکہ معظمہ کے پاس ایک پہاڑ کا نام۔

بہرہ مند — حصہ پانے والا۔ قسمت والا۔ خوش قسمت۔

بہ وسائط — واسطوں سے۔ وسیلوں سے۔ ذریعوں سے۔ وسائط جمع ہے وساطت کی۔

بے کلی — بے چینی۔ بیزاری۔

بیعت — کسی ولی اللہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اس کی اطاعت کا اقرار کرنا۔

بے غل وغش — لفظی معنی ہیں۔ کینہ۔ فریب۔ کھوٹ۔ یا خیانت کے بغیر۔ لیکن یہاں مراد ہے بے فکری سے۔

بیضۂ عنقا — بیضہ کے معنی ہیں انڈا۔ عنقا ایک بہت بڑا فرضی پرندہ ہے۔ اس لیے اس کا انڈا بھی بہت بڑا ہوگا۔ چونکہ سومناتھ کے مندر کا گنبد بھی بہت بڑا تھا اس لیے اس گنبد کو بیضۂ عنقا سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

بیگانہ	غیر۔ یگانہ یا اپنا کی ضد۔

پ

پائیں باغ	وہ باغ جو قلعہ یا مکان کے پیچھے یا سامنے اس کی کرسی سے نشیب میں ہو۔
پانڈے	پنڈت۔
پچی کاری	جڑائی کا کام۔ عمارتوں میں خوش نما پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سیمنٹ یا کسی اور مسالے سے جوڑ کر نقش و نگار بنانا۔
پراگندہ	بکھرا ہوا۔
پرتما	مورتی۔ بت۔
پرماتما	بھگوان، دیوتا، ہندی زبان میں خدا کے لیے بولتے ہیں۔
پسارا	پھیلایا
پس و پیش	فوج کا پچھلا اور اگلا حصہ۔
پسیجنا	ملائم ہونا، موم ہونا۔
پنڈ چھڑانا	پیچھا چھڑانا۔
پوچ دینا	دے دینا
پلہ	فاصلہ

ت

تازیانہ	چابک۔ ہنٹر۔ کوڑا۔
تأسف	افسوس۔
تپاک	گرم جوشی۔
ترک طرار	چست و چالاک ترک۔
تسبیح خواں	اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے والا۔
تساہل	سستی۔ غفلت۔
تن پروری	صرف اپنے جسم کو پالنا۔
تمدن	رہنے سہنے کے عمدہ طور طریقے۔
تمول	دولت مندی
تنک مایہ	تنک یعنی تھوڑا یا بے حقیقت اور مایہ یعنی مال و دولت۔ مراد ہے بے حقیقت انسان۔
توران	ترکستان کا قدیم نام۔
تہلیل	لاالہ الااللہ کہنا۔
تیر و خدنگ	خدنگ فارسی زبان میں ایک درخت کو کہتے ہیں جس کی لکڑی دوسری لکڑیوں کے مقابلے میں وزن میں ہلکی ہوتی ہے۔ اس لکڑی سے تیر، نیزے اور گھوڑے کی زین وغیرہ بنائی جاتی تھی اس لیے خدنگ کو بھی تیر ہی کہتے ہیں۔ دونوں لفظوں کو ملا کر لکھنے سے بیان میں زور پیدا ہو جاتا ہے۔
تیغ بند	اسلحہ سے لیس۔

تیغ بے نیام — ننگی تلوار۔ مراد تلوار کی وہ حالت جب اسے حملہ کے لیے سونت لیا گیا ہو۔

ٹ

ٹاکم ٹوک — پوری پوری، معیار پر پورا۔

ٹڈی دل — بے شمار ٹڈیاں۔ مراد ہے خلقت کا ہجوم یا سیلاب۔

ٹھاکر — ہندی میں خدا کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے راجپوتوں کا سردار۔

ٹھٹ — بھیڑ۔

ٹکٹکی باندھنا — مسلسل دیکھے جانا۔ پلک جھپکائے بغیر دیکھتے رہنا۔

ٹٹی — مراد خس کی ٹٹی۔ خس ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس سے ٹٹیاں یا چکیں بنائی جاتی ہیں۔ پرانے زمانے میں جب بجلی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت یہی گھاس چکوں میں استعمال ہوتی تھی۔ دروازے یا کھڑکی پر اس گھاس کی چکیں لٹکا کر انھیں بھگو دیا جاتا تھا پھر اس میں سے جو ہوا آتی تھی وہ ٹھنڈی ہوتی تھی آج کل روم کولروں میں بھی یہ گھاس استعمال ہوتی ہے۔

ث

ثمرہ — پھل۔ نتیجہ

ج

جانکاہ — جان کو گھٹانے والا۔ سخت تکلیف دہ۔

جاودانی — ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا۔

جبین نیاز — فرماں بردار پیشانی۔ جھکنے والی پیشانی۔

جذب باہم — کائناتی کشش۔ مراد باہمی محبت۔

جلیل القدر — عالی مرتبہ۔ بڑے رتبے والا۔

جمعیت — دل کا اطمینان۔ لوگوں کا گروہ۔

جمود — ٹھہراؤ۔ بے حرکت ہونا۔

جوار رحمت — رحمت کا سایہ۔

جود و سخا — عنایت و بخشش

جھجھر — جالی دار صراحی

چ

چتر — چھاتا۔ چھتری۔ چھتر

چراغی — کسی مزار پر دیا جلانے کے لیے جو کچھ دیا جائے۔

چھری کٹاری ہونا — آپس میں گتھم گتھا ہونا۔

چشم جہاں بیں — یا کو دیکھنے والی آنکھ۔

چلے کی سردی — شدید سردی۔ یہ سخت سردی کا موسم چالیس دن رہتا ہے۔ ہندی مہینوں کے اعتبار سے یہ موسم پوس کے مہینے سے شروع ہو کر ماگھ کے مہینے تک رہتا ہے۔

چند در چند — کئی گنا ہونا۔

چنے بھننا — شدید گرمی ہونا۔ یہاں مراد ہے بہت تیز بخار ہونا۔

ح

حجاز — عرب کا ایک علاقہ جس میں مدینہ منورہ اور طائف وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔

حق سرہ — سچا ہے اس کا بھید۔ فاختہ کی آواز۔

خ

خاطر میں (نہ) لانا — پرواہ (نہ) کرنا۔

خجل — شرمندہ

خراب آباد — ویران۔ تباہ۔ برباد۔ اجڑا ہوا۔

خرابہ — ویرانہ

خصومت — کینہ۔ دشمنی۔

خود — فولاد کی ٹوپی۔ جو جنگ میں پہنتے ہیں۔

خوش آہنگ — اچھی آواز والا۔ دلکش آواز والا۔

خواجہ سرا — ہیجڑا۔

خدائے مجازی — شوہر۔

خوش الحان — خوبصورت آواز والا۔

خیال کے عیار فکر کے جاسوس — گہرا غور و فکر۔

د

دار — سولی۔ پھانسی۔

دامن غبار — غبار کے دامن کو ہوا کی قینچی نے کاٹ دیا۔ مراد ہے جب ہوا نے غبار کو صاف کیا۔

دامن تر — گنہگار

دانہ کش — دانہ دانہ جمع کرنے والا۔

داد دہش — بخشش۔ سخاوت۔ انعام۔

دریغ — افسوس۔ تامل۔ کمی۔

دل دوز — دل کو زخمی کرنے والا۔ دردناک۔

دم ہوا ہونا — دم غائب ہونا۔ دم فنا ہونا۔ پریشانی کے مارے مرنے کے قریب ہونا۔

دوگانہ — دو رکعت کی نماز

دوش — کندھا۔ گناہ۔ قصور۔ گزرا ہوا کل۔

دعائے حضرت خلیل علیہ السلام — حضرت خلیل اللہ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ قرآن میں دعائے خلیل علیہ السلام یوں ہے۔ "اے ہمارے رب تو ان لوگوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما۔ جو کہ ان لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر بتائے اور ان (کے اخلاق) کو سنوارے اور انھیں کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دے"

دو منزلہ سہ منزلہ کرنا — کبھی دو منزلیں طے کر کے قیام کرنا۔ کبھی تین منزلیں طے کر کے سفر کے دوران قیام کرنا۔ مراد سفر میں عجلت سے کام لینا۔

دل بادل چھانا — ہر طرف فوج کے دل بادل چھا جانا۔ مراد کثرت سے فوج کا جمع ہو جانا۔

دل جمعی — اطمینان تسلی۔

دنیا و مافیہا — دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔

دوائی ٹھنڈائی — دوا دارو۔ علاج معالجہ۔

دور طرب — خوشی کا دور۔ خوشیوں کا زمانہ۔

دھرم پرتما — ہندو مذہب کا ایک بت۔

دھڑ دھڑ جلنا — مسلسل جلنا۔ لگاتار جلنا۔

دینار — سونے کا سکہ جو کہ چند عرب ممالک میں چلتا ہے۔

ڈ

ڈلک — چمک دمک خصوصاً سونے کی۔

ڈگری جاری کرانا — روپیہ وصول کرانے کے لیے عدالت سے حکم جاری کرانا۔

ر

رال کی ہانڈی — رال ایک درخت کا گوند ہے جو بہت جلد آگ پکڑتا ہے پرانے زمانے میں جنگ کے دوران ہانڈی یعنی ہنڈیوں میں رال ڈال کر دشمن کے لشکر میں پھینک دیتے تھے پھر اس پر آگ کے تیر برساتے تھے اس طرح رال میں آگ لگ جاتی تھی۔ جس سے لشکر میں تباہی پھیل جاتی تھی۔

رام رام کی سمرن جپنا — سمرن کے معنی ہیں ورد وظیفہ یا وہ مالا جس کے دانوں پر ہندو اپنے بھگوان کا نام جپتے یا اس کا ورد کرتے ہیں۔ یہاں مراد ہے رام رام کا ورد کرنا یا جپنا۔

رب علا — بلند مرتبے والا رب۔

رخت بردوش — سامان اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے۔

رخ خورشید — سورج کا چہرہ یعنی روشن چہرہ۔

رسالدار — ایک رسالہ یعنی سو سواروں کا افسر۔

رقت — دل کی انتہائی عاجزی کی حالت جس میں انسان کے آنسو نکل آتے ہیں۔

رکاب — گھوڑے کی زین کے دونوں طرف لٹکے ہوئے لوہے کے حلقے جن میں سوار اپنے پیر رکھتا ہے۔

ز

زر و سیم — سونا چاندی

زرہ — لوہے کی پوشاک پرانے زمانے میں جنگ میں تیر یا تلوار سے بچنے کے لیے پہنی جاتی تھی۔

زیر و زبر کرنا — تباہ و برباد کرنا۔

زمین خدمت کو بوسہ دینا — حد سے زیادہ تعظیم کرنا۔ بادشاہی تخت کو چومنا۔

س

ساعی — کوشش کرنے والا۔

ساقی کوثر ﷺ — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب۔ روز قیامت آپ ﷺ ایک حوض جس کا نام "کوثر" ہے سے اپنے نیک دوستوں کو پانی پلائیں گے۔

سانڈنی سوار — اونٹنی سوار۔

سبکدوش ہونا — ذمے داری سے آزاد ہونا۔

سپر — ڈھال۔

سپر پیچ میں رکھنا — جنگ روک دینا۔

سڈول ڈیل — موزوں جسم

سرمستی — مدہوشی۔

سربفلک — سر کا آسمان تک بلند ہونا۔ یعنی بہت بلند۔ خوش نصیبی۔ خوش بختی۔

سلاح جنگ — جنگی ہتھیار۔

سلمہ — دعائیہ کلمہ۔ اللہ تعالیٰ اسے سلامت رکھے۔

سنگھٹن کی تحریک — ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف ایک تحریک تھی جس کا مقصد صرف ہندو نوجوانوں کو جنگ کی تربیت دینا تھا۔

سوانح نگار — واقعات لکھنے والا۔ زندگی کے حالات لکھنے والا۔

سوختہ بختی — جلے نصیب۔ بد نصیبی۔

سور بیر — بہادر سورما۔

سیر چشم — قناعت کرنے والا۔ سخی۔

ش

شادی مرگ — وہ شخص جو خوشی کی زیادتی سے مرجائے۔

شاعر رنگیں نوا — عمدہ شعر کہنے والا۔

شب خون مارنا — دشمن کے لشکر پر رات کے وقت اچانک حملہ کرنا۔

شدھی کی تحریک — ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک۔

ششدر — حیران۔

شعار — عادت طور طریقہ۔

شگاف — دراڑ

شوالا — مندر۔

شیرازہ — انتظام۔ بندھن۔ کتاب کی سلائی۔

شیر و شکر ہونا — گھل مل جانا۔ گہری دوستی ہونا۔

ص

صرف و نحو — گرامر۔ قواعد۔

صف بستہ — قطار باندھے۔

صفحۂ دہر — زمانے کا صفحہ۔ مراد ہے دنیا۔

صوت ہادی — ہدایت دینے والے کی آواز یا پکار۔

صورت سیماب — سیماب یعنی پارہ۔ مراد پارے کی مانند بے قرار۔

ض

ضرب الامثال — کہاوتیں۔ مثلاً جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

ضعف — کمزوری۔

ط

طبائع — طبیعت کی جمع۔

طبع آزاد — آزاد خیال۔ آزاد طبیعت۔

طائران — طائر کی جمع۔ پرندے۔

طیور — طائر کی جمع۔ پرندے۔

طوعاً و کرہاً — چار و ناچار۔ بے دلی سے۔ مجبوراً۔

ظ

ظل سبحانی — ظل بمعنی سایہ سبحانی یعنی اللہ تعالیٰ کا۔ چونکہ اچھا بادشاہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور فضل ہوتا ہے۔ اس لیے پرانے زمانے میں یہ لقب بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یعنی اچھے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کا سایہ سمجھا جاتا تھا۔

ع

عار — شرم۔ عیب۔

عتاب — غصہ۔ ملامت۔

عدم — نہ ہونا۔ وجود کی ضد۔

عسر و یسر — تنگدستی اور خوش حالی۔

عرضداشت — درخواست۔

عساکر — عسکر کی جمع۔ عسکر بمعنی فوج۔

عشق پیچاں — ایک بیل کا نام جو درخت سے لپٹ جاتی ہے اس کا پھول سرخ اور کلیاں باریک ہوتی ہیں۔ اسے لبلاب بھی کہتے ہیں۔ جس درخت سے لپٹ جاتی ہے۔ اس کا رس چوس چوس کر اسے خشک اور بے جان کر دیتی ہے۔

عفو جرم — خطا معاف کرنا۔

عناد — دشمنی۔ مخالفت۔

علی العموم — عام طور پر۔

علم و آگہی — جاننا اور واقفیت ہونا۔

عملی تفسیر — عملی نمونہ۔

غ

غرہ — چاند کی پہلی تاریخ۔

غلطاں اور پیچاں — غلطاں بمعنی لوٹنے والا اور پیچاں بمعنی لپٹنے والا۔ مراد ہے۔ فکر مند اور پریشان

غیور — بڑی غیرت والا۔

ف

فاخر — فخر کرنے والا۔

فارغ خطی — بے تعلقی کی تحریر۔

فائق — بہتر۔ برتر۔

فتویٰ — کسی مسئلہ کے متعلق شرعی فیصلہ۔

فدک — یہ علاقہ عرب میں خیبر کے قریب کھجوروں اور اناج کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ یہاں صرف علاقہ مراد ہے۔ جواب اس نام سے موجود نہیں۔

فرنٹ ہوجانا — باغی ہوجانا۔ نافرمان ہوجانا۔

فروعات — فروعات جمع ہے فروع کی اور فروع جمع ہے فرع کی یعنی شاخ۔ اس طرح یہ لفظ فرع کی جمع الجمع (یعنی جمع کی جمع) ہے۔ یعنی بہت سی شاخیں۔ مراد ہے۔ فضول باتیں جن کا اصل بات یا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

فلاحی مملکت — رعایا کی بھلائی اور سلامتی کے کام کرنے والی حکومت۔

فہم و ذکا — دانائی اور ذہانت

ق

قافیہ پیمائی — ایسی شاعری جس میں مضمون کے بجائے قافیہ کے سہارے شعر کہنے سے غرض ہو۔

قدامت پرست — پرانے طور طریقوں کو پسند کرنے والا۔

قرار و شکیب — سکون و صبر۔

قرن — اصطلاح میں ۱۰۰ برس کا زمانہ۔ مراد لمبا عرصہ۔

قصیدہ — ایسی نظم جس میں شاعر کسی بادشاہ یا بڑے آدمی کی تعریف کرتا ہے۔

قطرہ قطرہ بہم شود دریا — فارسی ضرب المثل ہے کہ قطرہ قطرہ جمع ہو کر دریا بن جاتا ہے۔ یعنی تھوڑا تھوڑا بہت ہوجاتا ہے۔

قمری — فاختہ کی ایک قسم جس کے گلے میں سیاہ حلقہ ہوتا ہے۔

قلب — دل۔ مرکز۔ فوج کا مرکزی حصہ۔

قلعہ باندھنا — میدان جنگ میں فوجی دستے کو خاص انداز سے ترتیب دے کر کھڑا کرنا تاکہ دشمن دستے کے مرکز پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

ک

کاغذ کا گھوڑا — مراد ہے۔ خط۔ چھٹی۔

کایا — حالت

کج خلقی — بداخلاقی۔

کچھار — دریا کے کنارے کی نشیبی زمین یا جنگل۔ ترائی۔ جہاں شیر رہتا ہے۔

کردگار — خالق۔ اللہ تعالیٰ

کرنا — بگل۔ نفیری۔

کسر نفسی — انکساری۔ عاجزی۔

کشور کشا — ملکوں کو فتح کرنے والا بادشاہ۔

کشورستان — دوسروں کا ملک چھیننے والا۔

کُلنگوں — کلنگ کی جمع ہے۔ ایک آبی پرندہ جس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں قاز۔

کفروالحاد — خدا کو نہ ماننا اور اسلام سے پھر جانا۔

کماحقہ — جیسا کہ اس کا حق ہے۔

کسب کمال — کمال حاصل کرنا۔

کندن — خالص سونا۔

کنجن — ایک پرندہ جو چونچ سے درختوں کی شاخوں میں سوراخ کرتا ہے۔

کھنجن — ایک چھوٹا خوش آواز پرندہ جس کی دم حرکت کرتی رہتی ہے۔

کورا ہونا — جاہل رہ جانا۔

کوس — ڈیڑھ دو میل کے برابر ایک فاصلہ۔

کوس رحلت — سفر کے لیے روانگی کا نقارہ۔

کوکلا — ہدہد۔ ایک خوبصورت چھوٹا سا پرندہ۔

کہ باید وشاید — جیسا کہ چاہیے۔ جیسا کہ لائق اور مناسب ہے۔

کھیت ڈال دینا — میدان جنگ میں ہزاروں آدمیوں کو مار ڈالنا۔ لاشیں بچھا دینا۔

گ

گرز — پہلوانوں کے ایک ہتھیار کا نام جو اوپر سے موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔ پاک وہند میں نامی گرامی پہلوانوں کو گرز بطور ٹرافی دیا جاتا تھا۔

گرو — رہن۔

گریہ وبکا — آہ وزاری کرنا۔ رونا دھونا۔

گنگا جل — دریائے گنگا کا پانی جو ہندوؤں کے نزدیک مقدس ہے۔

گلوری — ایک خاص طرح سے لپٹا ہوا پان کا چھوٹا بیڑا۔

گہر بار (گوہر بار) — موتی بکھیرنے والا۔ موتی لٹانے والا۔

گوہر یکتا — بے مثال موتی۔ مراد ہے اپنے زمانے کا بے مثل آدمی

گوش کرنا — سننا۔ توجہ دینا۔

گیان دھرم — گیان یعنی فہم۔ واقفیت۔ دھرم یعنی مذہب۔ اپنے مذہب کی فہم یا واقفیت۔

ل

لاج رہنا — عزت رہنا۔

لاریب — بے شک۔

لب جو — ندی کا کنارہ۔

لپکا — چسکا۔ لت۔

لق ودق — اجاڑ۔ ویران۔ علاقہ۔

لاسہ — لیسدار مادہ گوند جو پودوں سے حاصل ہوتا ہے اور جو چھوٹے پرندوں کو پکڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

لشکر خاصہ — بادشاہ کا اپنا خاص فوجی دستہ۔

لونڈی — خادمہ۔ خدمت کرنے والی عورت۔

م

ماویٰ — پناہ کی جگہ۔

مبادا — کہیں ایسا نہ ہو۔

مبدل — بدلا ہوا۔ بدلا گیا۔

متنفس — انسان۔ جاندار۔

متمول — مال دار۔ دولت مند۔

متنجن — ایک قسم کا میٹھا پلاؤ۔ جس میں خوشبو کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔

مجددالف ثانی — مجدد کے معنی ہیں مذہبی مسائل کو نئے انداز میں پیش کرنے والا۔ الف بمعنی ہزار۔ مجدد الف ثانی کے معنی ہوئے دوسرے ہزارویں سال کا مجدد۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کا لقب ہے آپ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰۳۴ھ کو فوت ہوئے تھے۔ اس طرح آپ پہلے ہزار میں پیدا ہوئے اور دوسرے ہزار میں فوت ہوئے تھے۔

مجرا بجالانا — جھک کر فرشی سلام کرنا۔

محنت شاقہ — سخت محنت۔

مدلل — با دلیل۔

مرادیں برلانا — مرادیں پوری کرنا۔

مرصع — جڑاؤ۔

مستثنیٰ — الگ کیا گیا۔ جدا کیا گیا۔

مستعار — ادھار مانگا ہوا۔

مستغرق — کسی کام یا خیال میں بہت مشغول۔

مس خام — کچا تانبا۔

مسخر کرنا — مطیع کرنا۔ قابو میں کرنا۔ فتح کرنا۔

مسلم — تسلیم شدہ۔ مانا ہوا۔

مسودہ	لغوی معنی ہیں کالا کیا گیا۔ اصطلاحاً وہ کتابت، جو سرسری طور پر لکھی ہو اور ابھی چھپی نہ ہو۔
مشترک	جسے شریک کیا گیا ہو۔ ساجھی چیز۔ ساجھے کا۔ ملا ہوا۔
مشیخت	بزرگی۔ غرور۔ شیخی۔
مصارف	مصرف کی جمع۔ یعنی اخراجات۔
مصر	اصرار کرنے والا۔ بات پر اڑنے والا۔
مصفا	صاف ستھرا حوض۔
مصلح	اصلاح کرنے والا۔
مصمم	پکا۔
مضطرب	بے چین۔ بیقرار۔
مضمر	چھپا ہوا۔ پوشیدہ۔
مطبع	چھاپہ خانہ۔
معانقہ	گلے ملنا۔
معدوم	غائب۔ ناپید۔ مٹا ہوا۔
معرض وجود میں آنا	پیدا ہونا۔ تخلیق پانا۔
مفاسد	مفسدہ کی جمع۔ فتنے۔ فسادات۔
مقدم	اولیت دیا گیا۔ اعلیٰ۔ افضل۔

معرکہ	میدان جنگ۔
مقراض	قینچی۔
مکالمت	گفتگو۔ ہم کلام ہونا۔
مکتوب الیہ	جسے خط لکھا جائے۔
ملجا	پناہ کی جگہ۔
ملائک	ملک کی جمع یعنی فرشتے۔
منتظر فردا	فردا یعنی آنے والا کل۔ قیامت کا دن۔ مراد ہے بہتر مستقبل کا انتظار کرنے والا۔
منشیانہ	خوش خط۔ خوش نویسوں کی طرح۔
منظور	مطلوب و مقصود۔
منفعت	فائدہ۔ نفع۔
موج طرب	خوشی کی لہر۔
مولیٰ	آقا۔ مالک۔ مددگار۔ دوست۔

ن

ناظر	دیکھنے والا۔
ناکہ	شہر میں داخلے کا دروازہ۔ محصول چنگی۔
نان شبینہ	رات کی روٹی۔ مراد رات کا کھانا۔

ناتواں — رقم۔ پیسے۔

نراس — ناامید۔

نرباہ — نبھاؤ۔

نرسنگا — سینگ جس میں زور دار پھونک مار کر بجاتے ہیں۔

نرنکار — بھگوان۔

نذر دلوانا — کسی بادشاہ یا بزرگ کی خدمت میں محبت وعقیدت، سے کوئی چیز پیش کرنا۔

نسب — نسل۔ خاندانی سلسلہ۔

نصب العین — حقیقی مقصد۔ زندگی کا وہ بڑا مقصد جسے حاصل کرنے کے لیے انسان جدوجہد کرتا ہے۔

نوروز — نیا دن۔ ایرانی سال کا پہلا دن جو کہ ۲۱فروری کو ہوتا ہے اس دن سے مسلسل نوروز تک اہل ایران تہوار مناتے ہیں۔

نوید مسیحا — نوید یعنی خوشخبری، مسیحا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی خوشخبری۔ یہ لفظ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام "احمد" ہوگا۔

و

وائی — سندھی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی معنی ہیں۔ بات۔ کلمہ یا بول، وائی سندھی کلاسیکل شاعری کی ایک صنف ہے جو کہ سندھی شاعری کی ایک مخصوص بحر میں لکھی جاتی ہے۔ اس کی بنیاد سروں پر رکھی گئی ہے۔ اور اس میں ایک مصرع ہر شعر کے بعد دہرایا جاتا ہے۔

واللہ لاازید ولاانقص — قسم اللہ کی میں (اپنی طرف سے) نہ اضافہ کروں گا نہ کمی۔

ودیعت — امانت۔ وہ چیز جو کسی کے حوالے کی جائے۔

ورائے عقل — وہ بات جو کہ عقل میں نہ آسکے۔

وفد — چند افراد جو کسی خاص مقصد کے لیے بھیجے جائیں۔

ہ

ہردوسرا — دونوں جہان۔ یعنی دنیا اور آخرت۔

ہرکارا — ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہنچانے والا۔ ڈاکیا۔

ہر کس ناکس — ہر اعلیٰ وادنیٰ شخص۔

ہم دوش — کندھا ملا کر چلنے والا۔ ساتھی۔

ہم نسب — ایک ہی نسل یا خاندان والے۔

ہنود	ہندو کی جمع۔
ہوا خواہ	خیر خواہ۔
ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا	نہایت تیز رفتار۔ چست و چالاک۔
ہونکنا	شیر کا ڈھارنا۔ سانس پھولنا۔
ہونی شدنی	ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔
ہویدا	ظاہر۔ عیاں۔ واضح۔
ہے نرنکار	اے بھگوان۔

ی

یاحی یاقدیر	اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور اے قدرت والے۔
یاس و ہراس	ناامیدی اور خوف۔
یک شنبہ	اتوار۔
یکتائے روزگار	اپنے زمانے کا بے مثال شخص۔
یک چند	تھوڑی دیر کے لیے۔
یک لخت	اچانک۔ فوراً۔
یگانہ	بے مثل۔ اکیلا۔
یمین و یسار	یمین کے معنی دایاں اور یسار کے معنی ہیں بایاں۔ فوجی اصطلاح میں لشکر کے دائیں حصے کو یمین اور بائیں حصے کو یسار کہتے ہیں۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو
منظور کردہ : وزارتِ تعلیم اسلام آباد
بطور واحد درسی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

سلسلہ وار نمبر 9745
پبلشرز کوڈ نمبر ایس ٹی بی-1

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
اپریل 2004	دوم	15,000	19.10